ماسٹر چنچل سنگھ بی۔ اے آنرز
سری ہرگوبند پور

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ

13.9.03

فنِ تاریخ گوئی

از

ابو البلاغت رتن پنڈوروی

جانشین اعتبار الملک حضرت دِل شاہجہانپوری مرحوم

سالِ اشاعت ۱۹۸۴ء
تعداد ۱۰۰۰
کتابت .... اعجاز رقم دہلی
مطبع .... جمال پریس دہلی
قیمت .... پندرہ روپے

ناشر

دفتر ماہنامہ شانِ ہند۔ فلیٹ ۸
انصاری مارکیٹ دریا گنج۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

انتساب
سراپا ایثار و مروّت جناب سردار چنچل سنگھ صاحب
سری ہرگوبند پوری
بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ
کے نام

فہرستِ مضامین

صحافیٔ باکمال۔ ادیبِ بے مثال۔ فرخندہ جمال حضرت سرورؔ تونسوی کی عنایتِ بے غایت اور احسانِ بے پایاں کی سپاس گزاری کا حق کما حقہٗ ادا کرنے کے لئے زبانِ کوتہ بیاں مُنہ ہی نہیں رکھتی۔ آپ نے اس ہیچمدان فقیر حقیر سراپا تقصیر کی کس مپرسی اور زاویہ نشینی پر رحم فرما کر "ہندی کے مُسلمان شعراء" ایسی جسیم و ضخیم کتاب کے مصارفِ کتابت و طباعت و دیگر تکالیف اپنے ذمّہ لے کر دُنیائے علم و ادب کے سامنے ایک اہم ترین لائحۂ عمل ظاہر کرتے ہوئے کامیاب ہو کر دکھایا پھر "سرِّ مغفرت" اور "سرمایۂ بلاغت" ایسی اہم کتب کو منظرِ عام پر لائے۔ اب آپ کے حسبِ ارشاد "فنِّ تاریخ گوئی" کی مفید ترین کتاب معرضِ وجود میں آ کر آپ کی بلند نظری اور ادب نوازی کا ثبوت پیش کر رہی ہے۔ دُعا ہے کہ قادرِ متعال آپ پر افضالِ لامتناہی کی ارزانیاں فرمائے۔ اور تا ابد مجھ ایسے فقیروں کی دُعا سے پھلتے پھولتے رہیں۔

منّت پذیر
رتن پنڈوروی

عرضِ ناشر

"ہندی کے مسلمان شعراء"، "سرمایۂ بلاغت"، "سرِ مغفرت" "آخری نظر" کے بعد جناب ابوالبلاغت حضرت رتن پنڈوروی کی ایک اور مایۂ ناز تصنیفِ لطیف "فنِ تاریخ گوئی" کی اشاعت کا فخر بھی مجھ نیاز مند کو حاصل ہوا۔ یہ قدرت کا احسان ہے کہ مجھ ناچیز کو قبلہ رتن صاحب کی خدمت کے ساتھ ساتھ "اردو ادب" میں بیش بہا مطبوعات کا اضافہ کرنے کا بھی شرف نصیب ہوا۔

زیرِ نظر کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ ہر شاعر خواہ مبتدی ہو یا منتہی، قبلہ رتن صاحب کا ممنونِ احسان رہے گا کہ "فنِ تاریخ گوئی" اس کے لئے ایک ایسی نعمتِ غیر مترقبہ ہے کہ جس سے وہ اس صنفِ سخن میں رہنمائی حاصل کرتا رہے گا۔

آپ بھی میرے ساتھ ربِ دوجہاں کے حضور یہ دعا کیجئے کہ وہ رتن صاحب کا سایہ ہم سب فدایانِ اردو کے سروں پر مدتوں قائم رکھے۔ آمین

رتن صاحب کا کفش بردار

ودیا پرکاش سرور تونسوی

دیباچہ

فی زمانا شعر گوئی کا شوق جنون کی حدود سے بھی متجاوز نظر آتا ہے۔ ہر دل میں شاعر کہلانے کی دھن اور ہر سر میں شعر کہنے کا سودا سمایا ہوا ہے۔ ساتھ ہی یہ تمنّا بھی دامن گیر ہے کہ "ہینگ لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے"، نہ مطالعہ کریں نہ محنت لیکن دنیائے ادب میں استاد ضرور تسلیم کئے جائیں اس مجنونانہ جوشِ آرزو کو لے کر وہ غزل کی طرف جھکتے ہیں کیوں کہ غزل حدیثِ محبت کا نام ہے اور طبعِ انسان فطرتاً محبّت پر جلدی مائل ہوتی ہے اس کا حکمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیگر اصنافِ سخن شاعر کی پہلو تہی و اغماض کا شکار بن کر عالمِ کس مپرسی میں یتیمانہ انداز سے سسکیاں بھرتی رہ جاتی ہیں۔

گو چند دُور بین و ہمہ رس نگاہیں دیگر اصناف کی طرف بھی مائل ہوتی ہیں لیکن تاریخ گوئی کی صنف ایسے حضرات کی توجّہ بھی حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ بیشتر نوجوان شعراء اس صنف کو دقیق۔ مشکل ترین۔ خشک۔ دماغ سوز۔ غیر مفید

اور فضول وغیرہ دل شکن و نفرت آمیز خطابات سے نوازتے ہوئے اس کو قطعی ترک کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر میں تاریخ گو شعرا کی تعداد قلیل ترین نظر آتی ہے۔ عام طور پر عمر رسیدہ حضرات اس پر مائل نظر آتے ہیں حالانکہ تاریخ گوئی وہ اہم ترین صنف ہے جس کو سراپا الہام کا درجہ دیا گیا ہے۔ ایک عُمدہ۔ لطیف۔ خوشگوار اور برمحل مادۂ تاریخ حاصل ہونے سے ایسی خوش نصیب ہوتی ہے جس سے دل میں سیروں خون ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔

کوئی زمانہ تھا کہ اس صنف کا آفتابِ اقبال نصف النّہار پر درخشانیاں دکھاتا ہوا اپنی برق پاش تجلّیات سے شائقین کو مسحور کر لیتا تھا۔ شاہانِ اسلام کے عہدِ حکومت میں تاریخ گو حضرات نے عظیم الشان وحیرت کُن انعامات حاصل کئے۔ ہندوستانی شعرا کے علاوہ ایرانی شعراء نے بھی اس داد و دہش سے اپنے آپ کو مالا مال کر لیا۔ چنانچہ ایک دفعہ عبدالرحیم خان خاناں نے مُلّا حیاتی کو لے جا کر خزانہ میں کھڑا کر دیا اور کہا کہ جس قدر اشرفیاں اُٹھا سکو پوٹ باندھ کر لے جاؤ۔ چنانچہ جس قدر وہ اُٹھا سکا گٹھڑی باندھ کر لے گیا۔ اس کے علاوہ عُرفی۔ ظہوری۔ شکیبی۔ عزّتی اور مُلّا نظیری وغیرہ میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے انعامِ وافر نہ پایا ہو۔

انگریزی عہدِ حکومت میں بھی ریاست حیدر آباد۔ ٹونک۔ اودھ۔ رام پور۔ جے پور۔ الور۔ بڑودہ۔ جودھ پور۔ اودے پور بیکانیر وغیرہ ریاستوں میں اس کی بہت قدر و قیمت رہی۔ اور کچھ کتابیں بھی اس صنف کی تشریح میں لکھی گئیں۔ اس کی ہر دلعزیزی یہاں تک بڑھی کہ ہندی۔ سنسکرت۔ انگریزی پشتو اور پنجابی میں بھی تاریخی مادے کہے جانے لگے۔ اور انگریز افسر بھی تاریخ لکھوانے لگے۔ چنانچہ امثلہ ملاحظہ ہوں۔

کسی کی مفارقت کی تاریخ ہندی ٹھمری میں

پی چھوڑ گئے آرام بنا + اب کا سے کہوں رے رام بنا + جو بیس کی دا کی بولا وے + موہے مول جیا لے رام بنا + اب کون سندیسا لے جاوے + میں ترپت ہوں پی کام بنا + جو یا نے متی یہ دکھ میں کھٹی + دن رات جھیو رے شام بنا

۱۲۸۲ ہجری

قطعہ تاریخ انتقال پنڈت شورین مصاحب راجہ جے پور۔ (سنسکرت زبان میں)

پنڈت نے جو اس مکان کو چھوڑا افسوس

اور جا کے عدم میں کیا اپنا مسکن

یوں وید سے بہر سال نکلا اشلوک

تیاو۔ ی شبھارا آور دین کرتن

۱۸۶۷ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات کالے خاں ولدیتی (پشتو زبان میں)

چوں بہند آمد ورفت خان سوئے خُلد گشتہ الم جہاں
کہ بچشم اہلِ جہاں شدہ سیہ یک قلم چو قلم جہاں
چو بفکر بہر سنش شدم زمزار گشتہ صدائے بند
وی را شاگورا پا بسیم ہمیں گفت سالِ وفات خان

۱۲۸۸ ہجری

قطعہ تاریخ آمد مسٹر الفرڈ صاحب (انگریزی زبان میں)

چوں بیامد شفیقِ من آں وقت
شوقِ دل از روی بے عدد گفتم
بہر تاریخ مقدمش جویا
کم ہیئر مسٹر الفرڈ گفتم

۱۲۹۰ ہجری

قطعہ تاریخ ملاقات محبوبہ دل رُبا (پنجابی زبان میں)

جب نظر آیا مجھے وہ ماہِ حُسن
کیا کہوں تب سے جو میرا حال ہے
یوں کہا ہاتف نے جو باشادہو
نینو دے نظارا اُس کا سال ہے

۱۲۸۶ ہجری

قطعہ تاریخ وصال حضرت قطب میاں مجذوب (جے پوری زبان میں)

سنکر ایسے کہاں سے دیکھا میں آئے چھیں بورام کے پورے
بھیا ساپنچے تو آیاں چھی کہ جیپور ایں سے کاستی چھا
جو سمت ان کے پوچھے تو یہ ہے سب نے کہا جو یا
جو بایا کھوب چھاری بھاری بیکنٹھ باسی چھا

قطعہ تاریخ قتل لارڈ میو وائسرائے ہند

جب لارڈ ارل میو ہوئے قتل دریغا
کس ظالم طاغی نے بہادر کو کیا قتل
ہاتف نے کہا مجھ سے کہ جو یا سن تاریخ
کیا پوچھے ہے باغی نے بہادر کو کیا قتل
۱۸۷۳ عیسوی

مندرجہ بالا امثلہ سے صاف عیاں ہے کہ صنفِ تاریخ کی عظمت وشوکت کس مرتبۂ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن زمانے کا انقلاب اور حیاتِ مستعار کا سراب قابلِ عبرت ہے آج ڈھونڈے سے بھی کوئی ایسی کتاب نہیں ملتی جو اس صنف کے قواعد پر کما حقہٗ حاوی ہو۔ تاریخ گوئی کی اس بے چارگی و بے کسی سے متاثر ہو کر اس زاویہ گیر فقیر اور خاکپائے شعرا و ادبا نے اپنی علمی بے بضاعتی اور ہیچمدانی کے باوجود اس صنف کے قواعد وضوابط کو منضبط کرنے کا بیڑہ اٹھایا جو بفضلِ ایزدی کتابی شکل میں فنِ تاریخ گوئی کے نام سے ناظرین

کے سامنے ہے۔ ہر گام پر یہی نکتہ مدِ نظر رہا ہے کہ کوئی پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے اور دلچسپی بھی قائم رہے۔

تاریخ گوئی میں سب سے زیادہ بحث طلب چیز ہمزہ کے عدد ہیں۔ آئے دن اس امر سے متعلق مباحثے جاری رہتے ہیں۔ اس بدعت کو دُور کرنے کے لئے ہمزہ کی تاریخی قیمت پر اس قدر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے کہ ؏ ملک گفت احسن فلک گفت زہ

حروفِ ابجد کی نسبت اُن کے معانی دلکش اور حیرت خیز انداز سے بیان کر کے اس صنف کی ابتدا کا زمانہ متعین کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی تاریخ گوئی کے جملہ مدارج اور مستعملہ صنائع بدائع کا ذکر بھی با وضاحت کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے مُشتاقانِ شعر و ادب بندۂ کمترین کی سعی کو مشکور فرمائیں گے اور اس ناچیز کوشش کو شرفِ قبولیت سے مشرّف فرماتے ہوئے الطافِ بے پایاں سے نوازیں گے۔

آخر میں اربابِ فن کی خدمت فیض درجت میں عاجزانہ التماس ہے کہ سہو و خطا خاصۂ بشری ہے کوئی سقم نظر آئے تو ہیچمدان کو مطلع فرمائیں تا کہ اصلاح کی جائے۔

؏ گو خطا کار ہوں اُمّیدِ عطا رکھتا ہوں

خاک نشین
رتن پنڈوروی

حروفِ تہجّی

تہجّی کے معنی ہیں ہجّے کرنا اور حروفِ مفردہ کو باہم ترکیب دینا۔ حروفِ تہجّی الف۔ ب۔ ت۔ ث وغیرہ کو کہتے ہیں جو تعداد میں اٹھائیس ۲۸ ہیں اور ابجد کے سلسلہ میں منسلک ہیں۔

ابجد دو ہیں۔ ایک آدم علیہ السّلام کی ترتیب دی ہوئی دوسری حضرت ادریس علیہ السّلام کی۔ چنانچہ آج کل حضرت ادریسؑ ہی کی ابجد جاری ہے۔ اُنہوں نے اسی ابجد کو ترتیب دے کر آٹھ بامعنی کلمے بنائے اور ابجدِ ادریس اس کا نام رکھا۔ اس ابجد میں عربی کے تمام حروف آ گئے ہیں۔ اگر انہیں علیحدہ کر کے ترتیب دیا جائے تو پوری الف۔ بے۔ تے بن جائے۔ ان حرفوں کے اعداد بھی مقرر کئے ہیں جنہیں حسابِ جُمّل کہتے ہیں اور حسابِ ابجد بھی۔ ابجدِ ادریس کے آٹھوں کلمے یہ ہیں۔

اَبُجَدُ۔ هَوَّزُ۔ حُطِّیُ۔ کَلِمَنُ۔ سَعْفَصُ۔ قَرُشَتُ۔ ثَخَّذُ۔ ضَظَّغُ۔

ان آٹھوں کلمات کے معنی حسب ذیل ہیں۔

اَبُجَدُ۔ میرا باپ جو آدم تھا گنہگار پایا گیا۔ یعنی اُس سے گناہ صادر ہُوا۔

ھَوَّزُ۔ اپنی خواہشِ نفسانی کی پیروی کی۔

حُطِیُ۔ اُس کے گناہ اُس کی توبہ و استغفار سے کھو دیئے گئے۔

کَلِمَنُ۔ زبان پر کلمۂ حق لایا۔ اس سے اُس کی توبہ قبول ہوئی۔

سَعُفَصُ۔ دُنیا اُس کے اُوپر تنگ ہوگئی پس بہادی گئی۔

قَرُشَتُ۔ اپنے گناہوں کا اقرار کیا جس سے کرامت کا شرف حاصل ہُوا۔

ثَخَّذُ۔ خُدا تعالیٰ نے اُسے قوّت دی۔

ضَظَّغُ۔ شیطان کا جھگڑا کلمۂ حق و توحید کی برکت سے مٹ گیا۔ (از مدار الافاضل)

بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ آبا جاد ایک بادشاہ کا نام تھا جس کا مُخفّف ابجد ہے۔ اور باقی سات کلمے اس کے سات بیٹّوں کے نام ہیں۔ چنانچہ صرّاح وغیرہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ صراصر ایک شخص کا نام تھا۔ لکھنے کا طریقہ اُسی کی ایجاد ہے اور یہ آٹھوں کلمے اس کے آٹھوں بیٹوں کے نام ہیں۔ رسالہ ضوابط عظیم میں ان آٹھوں کلمات کے حسبِ ذیل معانی لکھے ہیں۔

اَبْجَدْ۔ بمعنی شروع کیا۔ ھَوَّزْ۔ بمعنی مل گیا۔ حُطِّیْ بمعنی واقف ہُوا۔ کَلِمَنْ۔ بمعنی مُتکلّم ہوا۔ سَعْفَصْ۔ بمعنی اُس سے سیکھا۔ قَرَشَتْ۔ بمعنی ترتیب دیا۔ ثَخَّذْ۔ بمعنی محفوظ رکھا۔ ضَظَّغْ۔ بمعنی تمام کیا۔

اعداد کی ترتیب اس طرح ہے کہ ابجد سے حطّی تک ایک ایک ہندسہ بڑھاتے جاؤ۔ جب ی تک دس ہو جائیں تو کلمن سے سعفص تک دس دس بڑھاؤ جب ص تک نوّے ہو جائیں تو قرشت سے ضظّغ تک سَو سَو بڑھاؤ پس غ یعنی ہزار پر اُن کی گنتی پوری ہو گئی۔ گویا الف سے طا تک اکائی ہے نو تک بمراتب ہوتے ہیں اور یا سے صاد تک دہائی ہے نوّے تک درجہ بدرجہ شمار کئے جاتے ہیں اور ق سے غ تک سیکڑہ ہے ہزار تک تصوّر کرنا چاہیئے۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰
ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص		
۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰		
ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

ان ابجدی آٹھ کلموں کی نسبت بعض لوگوں کا خیال ہے

کہ اعداد یا حسابی جملے حضرت شیث پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہوئے ہیں اور خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں مندرجہ بالا ترتیب سے مُرتّب ہوئے۔ لیکن لفظ ہندسہ ظاہر کرتا ہے کہ اعداد کا حساب ہند سے نکلا ہے اور اسی وجہ سے اہلِ عرب نے علمِ حساب کا نام ہندسہ رکھا۔

عربی زبان کی تاریخ گوئی میں اٹھائیس حروفِ تہجّی مستعمل ہیں لیکن فارسی میں آکر پ۔ چ۔ ژ۔ گ خاص فارسی حروف اور شامل ہو گئے۔ اردو میں حروف تہجّی کی تعداد باون ۵۲ ہے۔

ا ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ
چ چھ ح خ د دھ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ
ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق
ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و ہ
ء ی ے۔

تاریخ کہتے وقت اعداد کا شمار اس طرح کرنا چاہیئے۔

بھ (ب + ہ)۔ (ب = پ)۔ (پھ = پ + ہ)۔ (تھ = ت + ہ)۔ (ٹ = ت)۔ (ٹھ = ٹ + ہ)۔ (جھ = ج + ہ) (چ = ج)۔ (چھ = ج + ہ)۔ (دھ = د + ہ)۔ (ڈ = د) ڈھ (ڈ + ہ)۔ (رھ = ر + ہ)۔ (ڑ = ر)۔ (ڑھ = ر + ہ) (ژ = ز)۔ (کھ = ک + ہ)۔ (گ = ک)۔ (گھ = گ + ہ)

(لھہ = ل + ہ) ۔ (مھہ = م + ہ) ۔ (نھہ = ن + ہ) ۔ (ی اور ے
دونوں کے اعداد (ی) کے برابر لیے جائیں) ہمزہ ء کا کوئی
عدد نہیں ۔ اس کی تفصیلی بحث آگے آئے گی ۔

فی الاصل اعدادِ ابجد اسرارِ غیبی ہیں یا انوارِ لاریبی
جو اوقاتِ سوانح کو مجہول سے معقول کر دکھاتے ہیں مگر جو جانتا
ہے وہی جانتا ہے ۔

ع راز ہاہست بسے محرمِ اسرار کجاست

تاریخ گوئی

تاریخ کے معنی ہیں "وقت پیدا کرنا" جب چند حروف
ایسے جمع کیے جائیں کہ ان کے عدد سنِ مطلوب کے مطابق ہوں
تو اُس کو تاریخ کہتے ہیں ۔ ان چند حروف کے مجموعہ کا نام
مادہ ہے بہترین مادہ وہ ہے جو اصل واقعہ پر دلالت کرے
اس لحاظ سے مادہ ہر وقت نیا ہے ۔ گویا شاعری عین تاریخ
گوئی ہے اور تاریخ گوئی نفسِ سخن اور مادہ گفتار ہے مگر نہایت
دُشوار ۔ ع تاریخ بر نیاید تاریخ بر نیاید
مادہ قسمِ ایہام سے ہے اور تاریخ اقسامِ بلاغت سے ۔

یہی وجہ ہے کہ مادہ کو مقولہ ہاتف کہا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ اس حساب میں مکتوبی حروف شمار ہوتے ہیں ملفوظی نہیں۔ اسی سبب سے حرف مشدّد کو ایک ہی مانا جاتا ہے۔ اور لفظ اللہ کے ۶۶ عدد لئے جاتے ہیں اور لفظ محمدؐ کے ۹۲۔

الف مقصورہ بصورت یا ۓ تحتانی دس عدد لئے جاتے ہیں جیسے عقبیٰ۔ عیسیٰ۔ موسیٰ۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ وغیرہ۔ گویا حرف یا ۓ تحتانی حساب میں آتی ہے الف مقصورہ حساب میں نہیں آتا اس حساب سے عقبیٰ کے ۱۸۲ اعداد آئیں گے۔

الف ممدودہ اس میں دو الف محسوب کرنا قاعدہ کی رُو سے صحیح نہیں۔ تاریخ میں حروف ابجد کے اعداد مکتوبی لیئے جاتے ہیں۔ کتابت میں الف ممدودہ ایک ہی لکھا جاتا ہے مد حساب کی مد سے خارج ہے۔

بعض شعراء کے نزدیک الف ممدودہ کے دُو عدد لینا دُرست ہے اُن کی رائے ہے کہ عربی میں الف ممدودہ (اا) دو الف ملا کر لکھا جاتا ہے اور تقطیع میں بھی دو الف یعنی آبروزن فا شُمار کیا جاتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے دو عدد لئے ہیں محض ضرورت تاریخ ہے۔

(دیکھو امیر اللغات بحث الف ممدودہ و تذکرہ آزاد)

تائے مدوّرہ ۔ اس کا عدد مکتوبی یا ئے ہوّز کا لینا
درست ہے ۔ تائے قرشت کے عدد لینا درست نہیں جیسے زبدۃ الفقرا
کی تائے مدوّرہ ۔

مراۃ الغیب ۔ حضرت امیر مینائی کے دیوانِ اوّل کا
نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۸۹ھ نکلتا ہے ہائے ہوّز کا عدد لیا گیا ہے ۔

درۃ الانتخاب ۔ والیِ رام پور خلد آشیاں کے
دیوان کا تاریخی نام جس سے ۱۲۹۴ھ نکلتا ہے ۔ ہائے ہوّز
کا عدد لیا گیا ہے ۔ حسب ذیل مصرعہ تاریخ آزاد بلگرامی ۔ آہ
زجہاں رفت زبدۃ الفقرا ۱۱۷۶ھ نکلتا ہے ۔ ہائے ہوّز کا
عدد لیا گیا ہے ۔

تائے طویلہ ۔ جو بلا کسی حرف کو ساتھ ملے تائے قرشت
کی طرح لکھی جائے اس کے چار سو عدد لینا درست ہے ۔

کہ ۔ کاف بیانیہ کی تعداد میں اختلاف ہے بعض کے
نزدیک ۲۰ عدد فقط ک کے لینا جائز ہے اور بعض کے نزدیک
۲۵ عدد یعنی ۲۰ کاف کے اور ۵ ہائے ہوّز کے ۔ لیکن اصول کے
مطابق کاف بیانیہ کے ۲۵ عدد لینا درست ہے ۔

ہمزہ تاریخ گوئی میں ہمزہ کے اعداد مبتدیانِ فن
کو ہمیشہ شک و شبہ میں مبتلا رکھتے ہیں ۔ ہمزہ
کے اعداد شمار کرنے میں ہمیشہ یہ اصول پیشِ نظر رہنا چاہیے

کہ فن تاریخ گوئی میں حروف ملفوظی معتبر نہیں ہوتے حروف مکتوبی معتبر ہوتے ہیں ۔ یعنی تلفظ کا لحاظ نہیں کیا جاتا ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خود ۔ خوش ۔ خویش ۔ خواب ۔ خواہش میں واؤ معدولہ کے اعداد شمار میں نہ آتے ۔ ہمزہ کی بحث میں یہی اصول ہماری رہنمائی کرتا ہے مثلاً آئے ۔ جائے ۔ کھائے صحرائی ۔ دریائی ۔ نائید ۔ تزئین ۔ ستائیس ۔ اٹھائیس ۔ تیئیس ۔ ستائیس وغیرہ الفاظ میں ہمزہ کے دس عدد شمار کئے جائیں گے ۔ اور اسے رسم الخط میں یائے تحتانی کا قائم مقام سمجھا جائے گا ۔ روئے یار ۔ بوئے گل میں ہمزہ ناقابلِ شمار رہے گا کیونکہ یہ کسی یائے تحتانی کا قائم مقام نہیں ۔ اسی طرح پائے عقل ۔ ہمائے اوجِ سعادت میں بھی ہمزہ کے عدد شمار میں نہ آئیں گے ۔ لیکن آبرو پائی ۔ آبرو پائے ۔ عزت پائے میں ہمزہ کے دس عدد اصول کے مطابق شمار کئے جائیں گے ۔ اسی طرح جائز ۔ فائز ۔ عجائب ۔ غرائب وغیرہ میں ہمزہ کے دس عدد شمار کئے جاتے ہیں ۔ آؤ ۔ جاؤ ۔ ہوا ہوئی ۔ لکھنؤ ۔ اناؤ ۔ پڑاؤ میں ہمزہ شمار نہیں ہوگا ۔ فارسی لفظ کی یائے مختفی اضافت کی صورت میں ہمزہ کی محتاج ہے یہ ہمزہ بھی شمار نہیں ہوگا مثلاً خریطۂ زر ۔ جلوۂ حسن ۔ بعض مورخین نے یہ دورنگی چال چلی ہے کہ جب آئی فعلن کے

وزن پر ہو تو ۲۱ عدد شمار کر لئے اور جب فاع کے وزن پر ہو تو گیارہ عدد۔ یہ بے اصولی بات ہے۔

ہُوئی فنِ جمل میں ہوئی کے عدد دو طرح سے دیکھنے میں آتے ہیں موٗرخین کی ایک جماعت ہُوئی کو بغیر ہمزہ کے کتابت کرتی ہے اور اس کے عدد (۲۱) اکیس شمار کرتی ہے ان کا قول ہے کہ "ہُوئی" چوں کہ "ہُوا" کی تانیث ہے اس میں الف کے بدل "ی" آئی ہے لہذا ایک ہی (ی) کا محسوب ہونا مناسب ہے۔ وہ لفظ "ہُوئی" میں ہ۔ و اور ی تینوں حروف کی ہستی کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر چند تاریخیں ملاحظہ ہوں۔

اسیر لکھنوی۔ خواجۂ عالم ارواح ہُوئی جانِ وزیر (۱۲۷۰)

امیر مینائی ؎ لب پر امیر مصرعۂ تاریخ آ گیا
اقبالِ شاہ سے ہوئی صحت وزیر کو

(۱۳۱۰) = ۳۲ + ۱۲۷۸

صفا۔ ع واہ کیا خوب یہ تالیفِ والا طبع ہُوئی (۱۳۳۶)

لطافت لکھنوی ؎ حرفِ منقوط سے تاریخ لطافت نے لکھی
شمع خاموش ہوئی مجمعِ پروانہ گیا
(۱۲۷۵)

جو یا مراد آبادی ع اب صفائی ہوئی حضور سے کہہ (۱۲۸۹)

یہاں صفائی میں کبھی ایک ہی "ی" شمار کی ہے۔

لسان الملک۔ ریاض

ع گل ہوئی بادِ اجل سے شمعِ ایوانِ خلیل (۱۳۲۳ھ)

اعتبار الملک حضرت دل شاہ جہاں پوری مرحوم اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں "شاعر ہر صنف میں آزاد ہے مگر تاریخ گوئی میں مجبور۔ ایک عدد کی کمی بیشی سے تمام کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بعض تاریخ گویوں نے کوئی مادۂ تاریخ نکالا اور اس میں لفظ "ہوئی" آگیا تو انہوں نے اپنی ضرورت کے لحاظ سے عدد لے لیے۔ ہر راستے میں توجیہہ ممکن ہے۔ جو لوگ ہوئی کا املا ہوئی لکھتے ہیں وہ دو (ی) کے قائل ہو گئے کیوں کہ ضرورتِ اعداد نے توجیہہ کے ساتھ اُن کا یہی مسلک قرار دے دیا۔ جو لوگ (ہوئی) میں ایک (ی) تسلیم کرتے ہیں وہ دو (ی) تسلیم نہیں کرتے۔ تاریخ گوئی میں اکثر اساتذہ کو مجبور دیکھا گیا ہے اسی اعتبار سے وہ مادۂ تاریخ ایک ٹکڑے میں پورا کرتے ہیں میرا ہر مادۂ تاریخ آپ ایک مکمل مصرع میں پائیں گے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ لفظ ہوا میں "یاء" نہیں لہٰذا اُس کو تانیث کیا تو ہمزہ کے ساتھ دوسری (ی) کہاں سے پیدا ہو گئی جب مذکر میں یاء نہیں۔ لفظ گیا میں بحالت تذکیر یاء ہے لہٰذا

اس کو تانیث کی حالت میں گنتی لکھ کر دیا۔ تسلیم کرنے کی ایک توجیہہ ہے۔ میرے خواجہ تاش سید مختار احمد صاحب مختار بھی ہوئی میں بصورتِ املا "ہوئی"، اور (ی) تسلیم کرتے ہیں فنی اعتبار سے اختلافِ آراء چلا آتا ہے اور چلا جائے گا۔ یہ کوئی عیب نہیں۔ "ہوئی" کے اعداد میں آپ امیر علیہ الرحمۃ کی تقلید کیجئے۔ میں بھی استاد اعلی اللہ مقامہ کا مقلد ہوں گا۔

مذکورہ مصرع ہائے تاریخ اور اعتبار الملک قبلہ دل کی رائے گرامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ہوئی" کے ۲۱ عدد محسوب ہونے چاہئیں۔

نہیں۔ علییں میں بعض نے ایک یائے تحتانی محسوب کی ہے جیسا کہ جناب جلال لکھنوی نے بھی اپنے رسالہ افادۂ تاریخ میں لکھا ہے۔ لیکن ایک یائے تحتانی کا عدد لینا مشتبہ ہے۔ قرآن مجید کا رسم الخط مشہور املا کے خلاف ہے جیسے مالک کی جگہ ملک وغیرہ۔ اس لئے قیاس کرنا ٹھیک نہیں جو متعارف املا ہو اسی اعتبار پہ عدد لینا درست ہے۔

نوادر الاصول میں ہے "دو خطان لا یقاسان خط المصحف وخط العروض"

ترجمہ دو خط قیاس نہیں کیے جائیں گے مصحف کا رسم الخط اور عروض کا۔ جیسے فاع لن۔ فاعلن۔ دونوں طرح ہے۔

متقدمین کے یہاں دو قسم کی تاریخ ملتی ہے۔ صوری اور معنوی۔
صوری وہ ہے جس سے لفظاً کوئی زمانہ معلوم ہو مثلاً تسلیم ؎
ہزار و صد و شصت و دو میں غرض
اجل کا بہانہ ہوا وہ مرض
معنوی تاریخ وہ ہے جس کے عددوں سے بحساب جمل
کوئی سنہ یا سال پیدا ہو جیسے ہاشمی بدایونی ؎
مصرعِ تاریخ یوں موزوں کیا
نعتِ محبوبِ خدا ہے یہ عجیب ۱۲۹۸ ہجری

معنوی تاریخ کی قسمیں

معنوی تاریخ کی تین قسمیں ہیں
کامل۔ زائد۔ ناقص۔

کامل

ایسی تاریخ کو کہتے ہیں جس میں کمی بیشی کو دخل نہ ہو
اور پورے مصرع سے سالِ مطلوبہ برآمد ہوتا ہو
مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخِ وفات۔ ع
ع آہ باغِ ہند ویراں ہو گیا ۱۳۷۷ ہجری
وفاتِ جگر مرادآبادی۔
ع آہ چھایا ہے جگر کی موت کا غم ہند میں
تاریخ وفات امرناتھ برادرِ خورد مصنّف۔
رتن کہہ دے بھائی کا یہ سالِ رحلت
امرناتھ باغِ جناں میں گیا ہے ۱۹۵۰ عیسوی

تاریخ ولادت فرزندِ ارجمند حضرت بےکس دہلوی ؎

فرطِ حیرت میں رتنؔ نے بھی کہا
حق نے بخشا ماہ وش نورِ بصر

تاریخ طباعت دیوان دوم از حضرت مہر جالتی مرحوم ؎

کہہ دے یوں سالِ طباعت اے رتنؔ
حسن افزا اب ہے کیا باغِ سخن

تاریخ وفات آفتاب پانی پتی ؎

چل بسا اک شاعرِ شیریں سخن ۱۹۶۸ عیسوی

زائد زائد وہ تاریخ ہے کہ تعداد سنہ مطلوبہ سے کچھ عدد اس میں زیادہ ہوں اور مصرعِ اول میں کسی کنایہ سے اُسے کم کر دیں۔ اس عمل کا نام تخرجہ ہے جیسے اس تاریخ میں ؎

گذشت بے سر حیا بگو تاریخ
فخر زیب النسا بمرد افسوس ۱۲۸۶ ہجری

اس تاریخ میں آٹھ عدد زیادہ تھے اس واسطے مصرع اول میں کنایہ سر حیا سے کہ "حا" ہے کم کر دیا۔

ناقص ناقص وہ تاریخ ہے کہ اُس میں عدد کسی قدر کم ہوں اور مصرعِ اوّل میں اسی قدر عدد بڑھائے جائیں اس عمل کو تعمیہ کہتے ہیں جیسے یہ تاریخ ؎

سال از سر آہ گفت ہاتف
کپتان بصفر سفر نموست ۱۲۸۶ ہجری

اس مادہ میں ایک عدد کم تھا سر آہ سے (جو الف ہے) پورا کیا گیا۔ بطور اعادہ پھر لکھا جاتا ہے کہ تعمیہ اس کو کہتے ہیں جو مادہ میں کسی قدر عدد کم ہوں اور کسی کنایہ سے اسی قدر عدد مادہ میں شامل کئے جائیں اور تخرجہ اُس کو کہتے ہیں کہ جو مادہ میں کسی قدر زائد عدد ہوں اور کسی کنایہ سے اُسی قدر عدد کم کردئے جائیں لیکن تعمیہ اور تخرجہ تو سے زیادہ معیوب ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس جھگڑے سے بچ کر تاریخ کہنی چاہیئے جو صاف سمجھ میں آسکے اور برمحل ہو۔

تعمیہ تخرجہ میں کنایہ کی قسمیں

شعرائے تعمیہ تخرجہ کے چند اشارے مقرر کئے ہیں مثلاً سر ہر لفظ کے واسطے۔ ابتدا۔ اوّل۔ لب۔ دست۔ چشم۔ رُخ۔ دہان۔ دنداں۔ زبان۔ بینی۔ رُوئے۔ پیش۔ شاخ سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

حرفِ دوم کو دوم۔ اوسط۔ میان۔ کمر۔ ضمیر۔ دل۔ قلب۔ جگر۔ شکم کہتے ہیں۔

حرفِ سوم کو سوم۔ انجام۔ پس۔ پائے۔ اصل۔ پایان۔ انتہا۔ حد کہتے ہیں۔

چند ضروری امور

تاریخ کہتے وقت حسب ذیل امور پیش نظر رہنے چاہئیں۔

۱۔ مادہ تاریخ صاف۔ سادہ۔ برمحل۔ اور واضح ہونا چاہیئے۔ لفظ ہست۔ باشد۔ گو۔ گُفت وغیرہ مقولہ کے لئے آتے ہیں۔ آخر مادہ میں ایسے لفظ داخل نہیں کرنے چاہئیں۔ جہاں تک ممکن ہو تعمیہ تخرجہ سے مادہ کو معرا رکھیں۔ الفاظ شستہ ورفتہ لائیں۔ بھرتی سے بچائیں۔ جب کسی تقریب کا مادہ نکالنا منظور ہو تو پہلے اس تقریب کو دیکھیں کہ تہنیت کے واسطے ہے یا تعزیت کے لئے یا کس تقریب کے لئے۔ پھر اُسی تقریب کے الفاظ جمع کریں۔ اگر الفاظِ مجوّزہ میں کمی بیشی رہے تو دوسرا لفظ موافق کمی بیشی کے تلاش کریں۔ مثلاً شادی کا مادہ ۱۲۸۵ھ ہجری تلاش کرنا ہے تو لفظ شادی کے عدد لیں جو ۳۱۵ ہوتے ہیں اب اسی طرح کا دوسرا لفظ ڈھونڈیں جس کے عدد موافق کمی سنہ مطلوبہ کے ہوں وہ لفظ عشرت ہے کہ جس کے عدد ۹۷۰ ہوتے ہیں باہم جمع کیا تو ۱۲۸۵ ہوئے گویا شادی عشرت مادہ ہاتھ آیا۔ اسی طرح جس تقریب کی تاریخ مطلوب ہو خیال کرکے نکالیں۔

۲۔ سالِ تاریخ کا مصرعہ پورا ہو تو بہتر ہے فقرۂ تاریخ مشتبہ نہ ہو۔

۳۔ جس واقعہ کا سال نکالا جائے اُس کے حسبِ حال پورا مصرعہ ہو۔ اگر پورا مصرعہ نہ ہو تو خلافِ واقع یا مُشتبہ جملے نہ ہوں جس سے کچھ پتہ نہیں چلے۔

۴۔ جہاں تک ممکن ہو تعمیہ تخرجہ سے بچنا بہتر ہے۔

۵۔ زیادہ بکھیڑے کی تاریخ نہ ہو کیوں کہ تکلّف میں تاریخ کا اصل منشا فوت ہو جاتا ہے۔

۶۔ تاریخ کا موضوع یہ ہے کہ بقاعدہ ابجد آسانی سے سالِ طبع نکلے۔ جمع۔ تفریق۔ ضرب۔ تقسیم کا جھگڑا نہ رہے۔

۷۔ صنائع بدائع تاریخی میں برجستگی و بے تکلّفی ہو تو خیر ورنہ کوہ کندن وکاہ بر آوردن میں بھی تکلف نہیں آتا۔

۸۔ کسی مصرعہ کے صرف حروفِ منقوط سے سال نکالنا محلِ نظر ہے کیوں کہ اس طرح بقیہ حروف بیکار رہتے ہیں۔ صرف آسانی ضرور ہوتی ہے۔ ہاں اگر منقوط و غیر منقوط دونوں قسم کے حروف سے دوہرے سال نکلتے ہوں تو کیا کہنا جیسے حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کی تاریخ ان کے نام مبارک سے کیا خوب نکالی گئی ہے کہ منقوط و غیر منقوط دونوں حرفوں سے سالِ شہادت ۶۱ھ ہجری نکلتا ہے ــــ واقعی عجب سالِ تاریخ ہے۔ اسے الہامی کہنا چاہیے ؎

سرِ حُد اشُد از حُسین و گشت تاریخ آشکار
ہم زحرفِ بے نقط ہم از حروفِ نقطہ دار

"ح" س ی ن
۸ ۶۰ ۱۰ ۵۰

ان میں سے سر یعنی ح کے عدد نکال دیجیے تو منقوط و غیر منقوط حروف سے سالِ شہادت ۶۱ھ نکلتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ صفتوں کے بکھیڑے سے دُور رہا جائے۔

ہمزہ کے عدد

یہ مسلمات فنِ تاریخ میں سے ہے کہ ہمزہ بشکلِ (ء) حروفِ ابجد میں سے کوئی حرف نہیں۔ تاریخ میں مکتوبی حروف کے عدد لیے جاتے ہیں ملفوظی کا شمار نہیں ہوتا۔ ہمزہ محض آوازِ الف متحرک کی علامت ہے کہ جب (واؤ) یا (ی) یا (ہائے مختفی) پر واقع ہوتا ہے تو اس حرف میں الف متحرک کی آواز پیدا کر دیتا ہے۔ ہمزہ کی طرح مد (~) اور الف خنجری (ا) بھی الف کی علامتیں ہیں حروف میں ان کا شمار نہیں ہے۔ مثلاً اب اور آب ان دونوں لفظوں کے تین ہی عدد محسوب ہوں گے یعنی الف

ممدودہ کا بھی وہی عدد لیا جائے گا جو محض الف کا۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں اسی طرح عیسیٰ۔ موسیٰ۔ اسحٰق پر جو علامت بطورِ الف خنجری بنادی جاتی ہے اُس کا شمار حروف میں نہیں عدد صرف اس حرف کے لئے جائیں گے جس پر یہ علامت واقع ہے۔ عیسیٰ موسیٰ میں (ی) اور اسحٰق میں (ح) کے عدد شمار ہوں گے۔ اسحٰق کو اسحاق لکھیں تو پھر الف کے عدد شمار ہوں گے۔ پس ہمزہ۔ مد۔ الف خنجری آوازِ الف کی علامتیں ہیں۔ حروفِ مستقل نہیں اس لئے تاریخ گوئی میں ان کا کوئی عدد نہیں لیا جائے گا۔ اور اتباعِ فتحہ کی الف خنجری الف ملفوظی کی اور ہمزہ الف ملفوظی مکسور یا مضموم کی علامت ہے۔

ہمزہ الفِ متحرک کا نام ہے جو کلمات کی ابتدا میں آتا ہے۔ الف متحرک کی آواز کے لئے یہ شکل مقرر کی گئی ہے (ء) جب (و یا ی) پر یہ شکل بنادی جاتی ہے تو ان دونوں کی آواز بدل کر الف متحرک کی آواز بن جاتی ہے اور ان کی اصل آواز کا نقل برطرف ہو جاتا ہے۔ تلفظ میں سلاست (نرمی) آجاتی ہے۔ مثلاً طاؤس میں واؤ معروف ہے اصلی تلفظ اس کا (طاوس) ہے اس لئے واؤ کو ہمزہ (الف کی آواز) سے بدل دیا گیا۔ اب تلفظ میں نرمی آگئی۔ یعنی طاوس (طاؤس) ہو گیا یہی حال (ی) کا ہے۔ قرئین میں (ی) بھی اور ان کے

تلفظ میں سلاست نہیں ثقل ہے۔ اس لیئے پہلی (ی) کی آواز کو ہمزہ (ء) یعنی الف متحرک کی آواز سے بدل دیا۔ اس میں سلاست و نرمی پیدا ہو گئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ (ی) کے شوشے پر جو ہمزہ بنا لیا جاتا ہے وہ محض تبدیلِ آواز کی غرض سے تاکہ وہ (ی) الف متحرک کی آواز دے۔ اس آواز کی تبدیلی سے حروف کی تعداد نہیں بدلتی یعنی جو (ی) ہمزہ ہو کر الف متحرک کی آواز دے گی۔ اس کے وہی دس عدد شمار ہوں گے آئین۔ تزئین۔ مائل۔ قائل وغیرہ کل الفاظ اسی قاعدے کے ماتحت آتے ہیں۔ ہمزہ کی یہ شکل (ء) جس حرف پر ہو گی اس کی آواز بدل کر الف متحرک کی آواز اس میں پیدا کر دے گی۔ لیکن اس حرف کی قیمت، عددی بدستور قائم رہے گی۔ مثلاً (تختۂ در) میں ہائے مختفی پر جو ہمزہ (علامت آواز الف متحرک) ہے اس نے محض آواز کو بدل دیا مگر ہائے مختفی کے جو پانچ عدد لیئے جاتے ہیں وہ بدستور لیئے جائیں گے۔ لہذا ہمزہ کے عدد لینے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہمزہ رسم الخط کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کے عدد شمار کرنا قطعاً غلط اور بے قاعدہ ہے۔ عربی و فارسی میں جو الف صدا کلمات میں آتا ہے حقیقتاً وہ ہمزہ ہوتا ہے مگر اس کی کتابت چونکہ الف ہی کی شکل میں واقع ہوتی ہے۔ اس لیئے

فنِ جمل میں اس کا ایک عدد محسوب ہوتا ہے مثلاً اسلام
و ابن ۔ یہ کلیہ فنِ تاریخ کے بنیادی اصولوں کی طرف ایک ایسا
اشارہ ہے کہ جس کے تتبع سے ہم کبھی جادۂ مستقیم سے بھٹک
نہیں سکتے۔ فنِ تاریخ میں مکتوبی حروف ہی پر ان کی قیمت
عدد کا انحصار ہے ۔ فنِ کتابت میں ہمزہ کی ہستی رسم الخط کے
طور سے سرِ عین کی شکل میں واقع ہوتی ہے ۔ ہمزہ کا شمار حروفِ
ابجد میں نہیں اور اس کی جگہ اشکالِ حروفِ صحیحہ میں نہیں ۔ اس
لئے ہمزہ کے استعمال کے مختلف مواقع پیش کرکے اس کے قواعد
استعمال پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے ۔

۱۔ ہمزہ اور ہائے مختفی

ہمزہ مجہول ہائے مختفی پر کبھی بحالتِ اضافت آتا
ہے مثلاً بستۂ الفت ۔ شکستۂ یاس ۔ اور کبھی بحالتِ نکرہ مثلاً
نشستۂ ۔ ساختۂ ۔ اور کبھی بحالتِ خطاب مثلاً آمدۂ ۔ رفتۂ
ایسا ہمزہ ہمیشہ غیر محسوب ہوتا ہے ۔ بعض نے ایسے ہمزے
کے عدد محسوب کئے ہیں لیکن ان کی یہ روش ساقط الاعتبار۔
ناقابلِ تقلید اور ثقاتِ فنِ جمل کے مشرب کے سراسر خلاف ہے
اس قسم کے الفاظ میں عدد فقط اُس ہائے مختفی ہی کے لئے
جائیں گے جس پر یہ واقع ہوتا ہے ۔

جب ہائے مختفی پر اضافت لگاتے ہیں تو وہ ساکن نہیں

رہتی بلکہ وہ مُتحرک بحالتِ کسرہ ہوجاتی ہے اور اس کسرہ میں اشباع کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ۔ جب اشباع کم ہو تو اُس کے عوض تقطیع ہیں ایک یائے تحتانی شمار کرتے ہیں۔ مثلاً

ع روضۂ جاں بخش جاں آفریں

یہاں روضہ کی ہائے مختفی غیر اشباعی ہے اِس لئے اس کے عوض ایک یائے تحتانی لکھی جائے گی۔ جیسے (روض یجا) مفتعلن۔

جب اشباع زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً

ع کیا حُباب اُٹھا ہوا ہے چشمۂ سیماب میں

تو یہی ہائے دو تحتانی ہوکر شمار ہوگی یعنی (چشم یے سی فاعلاتن)

یہاں ایک اور حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ فنِ تاریخ کو فنِ عروض سے کوئی مناسبت نہیں جہاں قواعدِ عروض کا دار و مدار حروفِ ملفوظی کا مرہونِ منت ہے۔ وہاں فنِ تاریخ کے قواعد کا انحصار حروفِ مکتوبی پر ہے نہ تو تلفظ کو اس میں دخل ہے نہ لفظ کو اور نہ لفظ کی اصلیت واشتقاق کو۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ فنِ تاریخ میں مکتوبی حروف ہی کے عدد لینے چاہئیں۔ مثلاً

حضرت جلیلؔ مانکپوری۔ ع کہ ایں ہم چشمۂ آبِ حیات است (۱۳۴۷)

حضرت صفیؔ لکھنوی۔ ع ہست ہمیں چشمۂ آبِ حیات (۱۳۴۰)

جناب نفیسؔ لکھنوی۔ ع خانۂ ماتمِ حُسین یہ ہے (۱۲۹۵)

جناب مجروح دہلوی ع کہہ عبادت خانۂ عالی بنا (۱۲۹۷)
مذکورہ مصرع ہائے تاریخ میں، ہائے مختفی کے عدد شمار ہوئے
ہیں ہمزہ کا کوئی عدد شمار نہیں کیا گیا۔

۲- ہمزہ اور الف

ثقاتِ تاریخ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہمزہ بعد الف کوئی چیز
نہیں اور اس کا عدد کسی حالت میں کبھی شمار نہیں کرنا چاہئے اور
یہی حکم ہمزہ بعد واؤ کی نسبت ہے ایسا ہمزہ حسابِ جمل میں
محسوب نہیں ہوتا مگر بعض متاخرین نے اس روشن حقیقت سے
چشم پوشی اختیار کرکے ایسے ہمزے کا ایک عدد لیا ہے
مثلاً" پورشہامن یشاء (۱۱۲۴)
چونکہ ابجد ہوز میں ہمزہ کا کہیں ذکر نہیں پھر تاریخ میں
اس کے عدد محسوب کرنا فنِ تاریخ کے بنیادی اصولوں کے خلاف
ایک مذموم ایجاد ہے ایسی تاریخوں کو فقط وقتی ضرورت کی
مجبوری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
جناب قدر بلگرامی قواعد العروض میں ایسے ہمزہ کے متعلق
رقم طراز ہیں کہ یہ مادہ تاریخی ہے اور ہمزہ کو بضرورت علامہ
واسطی مے اعداد میں شمار کر لیا اگرچہ خالی از تعدی نہیں۔
احسن مارہروی مرحوم۔ ع کشتیِ طبعِ رواں ہے مبدءِ طوفانِ نوح
حضرت احسن مارہروی ایسے ماہر تاریخ نے نہ معلوم کیوں

مبد ‍‌ ‍‌ کے بعد کے ہمزہ کا ایک عدد محسوب کیا۔

بعض مؤرخین نے مرکباتِ زبانِ فارسی میں یائے مجہول اضافی کی بجائے ہمزہ مکسور لکھ کر فارسی کے رسم الخط سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے اپنی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ایسی تاریخوں کی فنی نقطہ نظر سے کوئی وقعت نہیں۔ مثلاً

(۱) سراپاءِ بے مثل مطبوع شد (۱۲۷۷)

(۲) احیاءِ سخن چو کرد یحییٰ جاں داد (۱۰۶۴)

یہاں سراپا اور احیا کے بعد کا ہمزہ اصل میں یائے تحتانی ہے اور اُس کی کتابت سراپائے بے مثل اور احیائے سخن یائے تحتانی سے درست تھی اور فارسی رسم الخط کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ ایسے مرکبات میں جب الف آخر کلمہ واقع ہو تو یائے مجہول بعد از مضاف لانا ضروری ہوتا ہے مذکورہ دونوں مصرع ہائے تاریخ میں یہ تسامح بدرجہ اَتم واضح ہے۔ یہ تاریخ بھی اسی قبیل سے ہے۔

حرفِ مدرا ساخت مدغم پیرِ عقل آں گاہ گفت
نحو جائز کرد ایں جا انتقاءِ ساکنین (۱۰۹۹)

اس تاریخ میں بھی ہمزہ کو یائے مجہول کا بدل قرار دے کر ضرورتِ وقت کو پورا کیا گیا ہے۔ یہ فارسی رسم الخط کے قواعد کے سراسر خلاف ہے۔ یہی سمجھ لیں کہ مورخ کو ضرورتِ وقت نے

ایسی ناجائز ایجاد پر مجبور کیا ہے ۔ اس قسم کے تسامح نہ تو قابلِ سند ہیں نہ قابلِ تقلید چنانچہ تسلیم سہسوانی کا یہ قول اس بیان کا بیّن ثبوت ہے ۔

"در فارسی ہمزہ نمی نگارند و ہمزہ کہ بعد الف می آید عوضِ آں یائے تحتانی می نگارند قاعدہ عربی در فارسی جاری کردن خود را عاری کردن است طبعِ حق پسند چہ گونہ خواہد پذیرفت ۔ امثلۂ ہمزہ و تحتانی عربی در فارسی با مرِ گیلانی در نعت حضرت رسول صلعم تاریخ جلوس عالمگیر گفتہ سے

مکرمِ جہاں سیّد المرسلین	ملجائے دوسرا امام المتقین
(۱۰۶۸)	(۱۰۶۸)
پناہِ تاجوراں کا سماں ندیدہ چناں	سمائے حکم و سخا و مہ جمال عطا
(۱۰۶۸)	(۱۰۶۸)

در ملجائے و سمائے ہمزہ تحتانی است ۔

چوں کہ ہمزہ بعد الف رسم الخط سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس لئے گنجینۂ تاریخ میں جناب رعد حیدرآبادی نے ضیاء اللہ کے (۸۷۷) اور ضیاء الدین کے (۹۰۶) عدد شمار کئے ہیں ۔ مؤلف تاریخ لاسمائے نے بیلاء کے (۸) ذکار کے (۲۱) اور اراء کے (۲۰۷) عدد لئے ہیں ۔ مرزا محشر مرحوم لکھنوی کا یہ مصرع ۔ "یہ بنی قبر ضیاء الاسلام (۱۳۵۳) اعداد کا حامل ہے ۔

وسیم خیرآبادی مرحوم نے ۔ ع

رفیق النساء بھی ہے دل کش کتاب

کے (۱۳۱۴) عدد محسوب کیے ہیں۔

جناب بدر آروی نے ۔ ع

رنگین و فصیح نظم ماشاءاللہ

کے (۱۹۲۲) عدد شمار کیے ہیں۔

مندرجہ بالا مادوں میں جہاں کہیں ہمزہ آیا ہے غیر محسوب ہے جن حضرات نے ایسے ہمزہ کے عدد شمار کیے ہیں ان کا یہ مشرب نہایت ضعیف اور فقط ضرورتِ تاریخ اس کا منشاء ہے۔

ذیل میں ایک اور تاریخ کی حقیقت آشکار کی جاتی ہے یہ تاریخ فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے دیوان گلزارِ داغ کی جناب جلال لکھنوی مرحوم نے کہی ہے۔ مصرعِ تاریخ گلزارِ داغ میں اس طرح طبع ہوئی۔ ع

بوئے گلزارِ داغ آئی آج (۱۲۹۶)

اور افادۂ تاریخ میں اس کی کتابت اس طرح واقع ہوئی ہے۔

بوعِ گلزارِ داغ آئی آج (۱۲۹۶)

واللہ اعلم ان دونوں میں سے کون سی تاریخ حضرت جلال نے پسند فرمائی۔

پہلی صورت میں بوئے بعد یائے اضافی ہے اگر اس کو بھی

شمار کیا جائے اور آئی میں دو تحتانی کو بھی محسوب کیا جائے
تو سالِ مطلوبہ سے دس عدد زیادہ ہو جاتے ہیں۔ دوسری صورت
میں بوئے بعد ہمزہ مکسور فارسی رسم الخط کے خلاف اور متروک
ہے۔ قیاساً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب جلال نے جب یہ تاریخ
کہی تھی تو بوئے بعد یائے اضافی کو لکھا تھا مگر جب افادۂ تاریخ
کی تالیف کی نوبت آئی تو اس وقت اپنے دعوے کی تصدیق میں
کہ " یائے معروف ہمزہ دار کے بیس عدد لینے چاہئیں " آئی کو
دو تحتانی سے مکتوب کر کے اپنی ضرورت کو پورا کیا اور اُس کی
صحت بھی فرما دی۔ مگر اُن کی یہ مذکورہ تاریخ اپنے دامن میں
جس نازک عیب کو لئے ہوئے ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں
اور ایسی تاریخیں جن میں ضرورتِ وقت کی مجبوری پنہاں ہو
قابلِ سند نہیں ہو سکتیں۔

۳۔ ہمزہ اور واؤ ہمزہ واؤ پر کبھی بحالتِ مجہول اور کبھی بحالتِ معروف رسم الخط
کے طور سے آتا ہے۔ مگر فنِ تاریخ میں اس کا کوئی عدد نہیں
لیا جاتا کیونکہ واؤ پر اس کی کتابت محض تلفظ کی تبدیلی کی
غرض سے عمل میں آتی ہے اور یہ کوئی صورت انتقالِ حروفِ
ابجد میں سے نہیں۔ رؤف۔ طاؤس۔ کماؤ۔ کھاؤ۔ داؤ۔ آؤ۔
جاؤ۔ وغیرہ سب الفاظ کا ہمزہ رسم الخط ہے اور اس کے

عدد محسوب نہیں ہوں گے۔ مثال کے طور پر چند مصرع ہائے تاریخ مُلاحظہ ہوں۔

مُصحفی لکھنوی۔ ع

سودا کجا وٴ آں سخنِ دلفریبِ او (۱۱۹۵)

رشک مغفور۔ ع

دلا شعر گوئی او بھٹی لکھنوٴ سے (۱۲۵۴)

سرور۔ ع

گفتہ ام شمع حق علاء الدین (۷۲۰)

لسان القوم صفی لکھنوی۔ ع

قُربان ماں کے پاوٴں کے نیچے بہشت ہے (۱۳۵۸)

نوح ناروی۔ ع

ہاتفِ غیب نے کہا + "آئے جلال امیر داغ" (۱۳۲۷)

بیخود لکھنوی۔ سہ

تاریخ یہ لکھو تم + گھر غم کدہ ہوا ہے (۱۳۲۱)

بعض حضرات نے ایسے ہمزہ کے چھ عدد دیئے ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ جب یائے معروف پر ہمزہ آتا ہے تو اُس کے عدد دو یائے تحتانی کے برابر شمار ہوتے ہیں۔ اگر اسی صورت کو واوٴ کے ہمزہ پر منطبق کریں تو واوٴ ہمزہ دار کو کیوں دو واوٴ کے برابر شمار نہ کریں یہ اصول کوئی خاص بحث طلب نہیں کیونکہ

یائے معروف میں ہمزہ کے عدد نہیں لئے جاتے بلکہ اُس شوشے کے لئے جاتے ہیں جس پر ہمزہ کی علامت بنائی جاتی ہے اس لئے واؤ ہمزہ دار کے (بارہ ۱۲) عدد لینا درست نہیں اسی طرح واؤ کے ہمزہ کا ایک عدد لینا بھی غلط ہے۔

بعض حضرات نے ایسے ہمزہ کے دس عدد بھی لئے ہیں اُن کی یہ رَوِش بھی مشربِ ثقاتِ تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ جس ہمزہ کے دس عدد لئے جاتے ہیں اصل میں وہ یا کے لباس میں آتا ہے ہمیشہ وہ شوشے کے اوپر چیونٹی کی شکل میں نظر آئے گا۔ اصل میں یہ ہمزہ اُس شوشے کی ہستی کو ظاہر کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ قاری اُس کی مکتوبی ہستی کے سمجھنے میں دقّت محسوس نہ کرے۔ مذکورہ بیان سے یہ نتیجہ آئینہ ہوجاتا ہے کہ ایسے ہمزہ کے عدد محسوب کرنا قرینِ انصاف نہیں۔ اُم التواریخ از حسین علی فرقتؔ مرحوم تاریخ گویوں کے لئے عمدۃ الفاظ کی ایک لاجواب لغت ہے اُس میں اُنہوں نے (آؤ) کے (۱۷) عدد لئے ہیں یعنی ہمزہ کو ایک تحتانی کے برابر شمار کیا ہے۔ اُس کتاب میں بہت سی ایسی مثالیں بھی مل سکتی ہیں جہاں واؤ کا ہمزہ رسم الخط ہوکر رہ گیا ہو مثلاً اُنہوں نے پاؤ۔ باؤ کے نوٗ داؤ۔ آجاؤ کے گیارہ اور (آجاؤ) کے سترہ ۱۷ عدد بھی لے رکھے ہیں خدا جانے یہ کون سے قاعدے کے ماتحت

شمار ہوئے ہیں (بچاؤ) کے بارہ اور میاؤں کے (۱۰۷) عدد لئے ہیں مذکورہ الفاظ میں ہمزہ غیر محسوب ہے۔ آؤ کے سترہ عدد کی مثال موجبِ سند نہیں بلکہ مؤلف کی دورنگی کا نمونہ ہے۔

اسی طرح زنبیلِ تاریخی جس کے مؤلف ہندوستان کے ایک نامور اور مشہور نقادِ فنِ تاریخ منشی انوار حسین صاحب تسلیم سہسوانی ہیں جن کی تالیف ملخص تسلیم فنِ تاریخ گوئی کی ایک نادر اور عمدہ تلاش خیال کی جاتی ہے اس کا مطالعہ ہمارے لئے بہت حیرت افزا ہے۔ حضرت تسلیم سہسوانی مرحوم نے بھی مذکورہ کتاب میں آؤ کے سترہ عدد لئے ہیں لیکن جلد آؤ کے (۴۴) عدد لے کر دو عملی کی ایک ایسی مثال قائم کردی ہے جو موجبِ صد افسوس ہے۔ اگرچہ اسی کتاب میں بہت جگہ ہمزہ رسم الخط ہو کر رہ گیا ہے مثلاً داؤ کے گیارہ۔ بچاؤ کے بارہ۔ داؤدی کے پچیس۔ لاؤ کے چھتیس عدد شمار کئے ہیں۔ طاؤس کے (۷۶ اور ۸۶) بھی دورنگی کی قابلِ افسوس علامت ہیں۔ اس قسم کے غیر منصفانہ اقدام اس فن کے اصولِ اساسی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ ایسے ہمزہ کے عدد لینا اپنے آپ کو مجرم گرداننا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اساتذۂ فن کی ایک جماعت ہر زمانے میں اس قسم کی مذموم روش کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے صداقت کے نام کو دوبالا کرتی ہی رہے گی۔

۴۔ ہمزہ اور یائے تحتانی ۔ یائے معروف کے شوشے

پر ہمزہ کی کتابت ایک کثیر جماعت کی سمجھ میں نہ آسکی۔ اُن کا عقیدہ اس خیال پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ جب ہمزہ بعد الف کوئی چیز نہیں۔ واؤ کے ہمزہ کو بھی شمار نہیں کیا جاتا۔ ہائے مختفی کا ہمزہ بھی رسم الخط سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تو یائے معروف شوشہ دار کے ہمزہ کو ہم کیوں (دوسری یا) تصور کریں اور ی کے بیس عدد لیں کیونکہ فنِ تاریخ میں ہمزہ کا کوئی عدد مقرر نہیں اس لیے اُن کو اس نازک حقیقت کے سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہے کہ جن حضرات نے (ئ) کے بیس عدد لئے ہیں کیا اُنہوں نے ہمزہ کے دس عدد لئے ہیں یا شوشے کے۔ اس لیے یائے معروف اور یائے مجہول ہمزہ دار کی حقیقت پر روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ اہلِ فن اس سے مستفیض ہوں۔

آئی۔ کھائی۔ روئی۔ پائی۔ ہوئی۔ کھوئی۔ روئی۔ بوئی وغیرہ الفاظ میں از روئے رسم الخط دو (ی) ہیں۔ ایک شوشے کی صورت میں جو ہمزہ کی آواز دے رہی ہے دوسری دائرے کی شکل میں یائے معروف ساکن۔ قاعدہ مقرریہ ہے کہ اُن الفاظ میں جن کے آخر الف یا واؤ (معروف خواہ مجہول) ہو۔ جب یائے معروف ساکن بڑھائی جائے گی تو دو ساکنوں یعنی الف خواہ واوِ مذکور اور اُس (ی) کے درمیان ایک یائے وقایہ جو مکسور اور ہمزہ کی آواز دیتی ہے لائی جائے گی۔ جیسے آسے آئی۔ سوسے سوئی

(جس میں واوِ مجہول ہے) سُوئی بمعنی سوزن (جس میں واوِ معروف ہے) اسی طرح کھوئی۔ روئی۔ ہوئی سب الفاظ لکھے جائیں گے۔
ان میں پہلی (ی) جو متحرک ہے یعنی مکسور اور ہمزہ کی آواز دے رہی ہے یائے وقایہ ہے۔ یعنی ایسی (ی) جو دو ساکنوں میں ربط پیدا کرنے کی غرض سے لائی جائے اور دوسری (ی) جو دائرے کی شکل میں ہو۔ یائے معروف ساکن ہے۔ لہٰذا بلحاظِ کتابت دونوں کے عدد شمار ہوں گے۔

اگر ایسے الفاظ پر یائے مجہول ہو تو اُن میں یائے وقایہ لائے جانے کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ (ی) خود ہمزۂ مکسور کی آواز دے گی۔ جیسے آئے۔ سوئے وغیرہ البتہ ایسے الفاظ جن کے آخر میں یائے ساکن ہو اُن کے پر یائے مجہول اگر لائی جائے تو وہ یائے ساکن ہمزۂ مکسور کی آواز سے بدل جائے گی اور یائے مجہول ساکن ہوجائیگی جیسے لے سے لئے۔ دے سے دئے۔ گیا سے گئے (اس لفظ میں الف جو علامتِ واحد مذکر غائب صیغہ ماضی مطلق میں ہے اسے حذف کرنے کے بعد یائے متحرک جو باقی رہی اُسے ہمزہ کی آواز سے بدل کر آخر میں یائے مجہول ساکن بڑھا دی گئی)

جانا۔ ہونا۔ مرنا۔ کرنا سے ماضی مطلق واحد مذکر غائب کے صیغے بے قاعدہ بنائے گئے ہیں جیسے جانا سے گیا۔ ہونا سے

ہوا۔ مرنا سے مُوا۔ (مرا قاعدے کے مُطابق) کرنا سے کیا۔ اس لئے کہ اردو مصادر سے علامتِ مصدر حذف کرنے کے بعد یعنی نا دور کرنے پر امر کا صیغہ بن جائے گا۔ اگر اس صیغے کے آخر میں الف یا واؤ ہو تو صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف الف اور (ی) کا اس پر اضافہ کیا جائے گا جیسے آنا۔ لانا۔ کھانا سے آیا۔ لایا۔ کھایا یہ استثنا اُن چند مصادر کے جن کے صیغہ واحد امر حاضر سے صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف خلافِ قاعدہ بنتا ہے جن کا ابھی اُوپر ذکر کر دیا گیا۔

اگر مصدر سے (نا) علامتِ مصدر دُور کرنے پر صیغہ امر حاضر کے آخر میں الف یا واؤ کے سوا اور حروف پائے جائیں تو حرف الف زیادہ کر کے صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق بنے گا۔ جیسے اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ لیٹنا صیغہ واحد امر حاضر اُٹھ۔ بیٹھ۔ لیٹ ہوا۔ پھر اس پر فقط الف بڑھا کر اُٹھا۔ بیٹھا۔ لیٹا صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف بنتا ہے۔ اور صیغہ جمع مذکر غائب ماضی مطلق معروف الف کی جگہ یائے مجہول بڑھانے سے جیسے اٹھے۔ بیٹھے۔ لیٹے۔

اگر صیغہ امر کے آخر میں (ی) ہو تو اُس حالت میں اُس (ی) کو ہمزہ مکسور کی آواز سے بدل کر یائے مجہول بڑھا دیں گے۔ جیسے لے۔ دے۔ پی۔ سی۔ سے واحد مذکر غائب ماضی مطلق

رِیا۔ وِیا۔ پِیا۔ سِیا اور جمع مذکر غائب ماضی مطلق لِیئے۔ دِیئے۔ پِیئے سِیئے۔

(ت) علامتِ مصدر حذف کرنے کے بعد صیغہ امر حاضر کے آخر میں اگر یائے مجہول باقی رہے تو اُس (ی) کو یائے معروف سے بدل کر صیغہ واحد مونث غائب بنائیں گے اور اگر یائے معروف باقی رہی تو وہی صیغہ امر مونث غائب کا بھی سمجھا جائے گا جیسے لے دے سے صیغہ واحد مونث غائب یائے مجہول کو یائے معروف سے بدلنے پر لی۔ دی ہوگا اور پی۔ سی جن کے آخر میں یائے معروف موجود ہے وہ خود صیغہ امر حاضر بھی ہیں۔ اور صیغہ واحد مونث غائب ماضی مطلق بھی۔ لہٰذا ایسے مشتقات جن کے صیغہ امر کے آخر الف یا واؤ ہو اُن کا صیغہ واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف (یا) بڑھا کر اور اُسی صیغے کی جمع صرف یائے مجہول بڑھا کر صیغہ واحد مونث غائب ماضی مطلق معروف (ئی) بڑھا کر اور اسی صیغے کی جمع (ئیں) بڑھا کر بنائی جائے گی۔

ایسی صورت میں آئے۔ پائے۔ کھائے لائے وغیرہ یا روئے۔ سوئے۔ کھوئے۔ دھوئے وغیرہ کُل جمع مذکر غائب ماضی مطلق معروف کے صیغوں میں (جو مُضارع کے بھی صیغہ واحد غائب و حاضر ہوئے) صرف ایک ہی یائے مجہول ہے جو

ہمزہ کی آواز دیتی ہے اور اسی یائے مجہول پر جب کسرہ اشباعی واقع ہوتا ہے تو وہ کھینچ کر پڑھی جاتی ہے۔ اس کسرہ اشباعی کا بحالت تقطیع شعر وزن ایک (ی) کے برابر فنِ عروض میں ہوگا مگر فنِ تاریخ میں کسرہ اشباعی کا کوئی شمار نہیں۔ کتابت میں ایک ہی (ی) لکھی جائے گی اور اس پر کوئی شوشہ نہ ہوگا۔ یعنی آئے۔ ہائے۔ کھائے کو اس طرح رسم الخط میں نہیں لکھیں گے۔ اسی بنا پر جلال مرحوم نے آئے کے گیارہ عدد شمار کرنے کو کہا ہے خواہ وہ بروزنِ فاع ہو یا بحالت کسرہ اشباعی بروزن فعلن۔

آئے کی قیمت عددی کے متعلق اساتذۂ اُردو کے دو مسلک ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جب آئے بروزنِ فاع ہو تو اس کے گیارہ عدد لیئے جائیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ جب آئے بروزن فعلن ہو تو اس کے اکیس ۲۱ عدد دیئے جائیں۔ اور ایسی یائے مجہول شوشہ دار لکھی جائے۔ اس بنا پر کہ تاریخ میں حروفِ مکتوبی معتبر ہے۔

اصولی بحث یہ ہے کہ اُردو زبان کے اشعار میں بلکہ تمام تر عروض میں فارسی کا تتبع کیا جاتا ہے اور فارسی زبان میں یائے مجہول اگر بلا اشباع ہو تو وہ فاع کے وزن پر ہوتی ہے۔

اگر بہ اشباع ہو تو فعلن کے وزن پر۔ مگر ان دونوں صورتوں میں یائے مذکورہ پر رسم الخط میں شوشہ بحالتِ اشباع نہیں لگایا جاتا بلکہ یائے مجہول بلا اشباع بر وزنِ فاع اور یائے مجہول بعد اشباع بر وزن فعلن ایک ہی طرح لکھی جاتی ہے اشباعی حالت میں اُسے کھینچ کر پڑھتے ہیں اور بس۔ لہٰذا یہی قاعدہ اشباع اردو الفاظ میں جاری رہے گا۔ یائے مجہول بلا اشباع اور بہ اشباع کو ان مثالوں میں سمجھئے۔ مثلاً ؎

پائے مرا لنگ نیست

پائے میں جائے مجہول بلا اشباع بر وزن فاع ہے۔ اور ؎

بجائے بزرگاں نشستن خطاست

اس مصرع میں بجائے کے آخر یائے مجہول اشباع ہے اور بجائے فعولن کے وزن پر ہے لیکن یہ اشباع صرف تلفظ میں ظاہر ہوگا یعنی کسرہ کھینچ کر پڑھا جائے گا (کوئی مکتوبی علامت) شوشہ وغیرہ یائے مذکور پر نہ دیا جائے گا۔

الفاظ اردو میں بھی اسی کا تتبع کیا جاتا ہے اور کیا جانا چاہیئے کیونکہ مصادرِ اردو سے علامتِ مصدر حذف کرنے کے بعد صیغہ واحد امر حاضر بنتا ہے اور اس پر یائے مجہول بڑھا دینے سے صیغہ واحد غائب اور صیغہ واحد حاضر مضارع بن جاتے ہیں جیسے مصدر (آنا) سے علامت مصدر (نا) دور

کرنے کے بعد (آ) صیغہ واحد حاضر امر بن جائے گا۔ اور جب اس پر یائے مجہول بڑھائی جائے تو صیغہ واحد غائب مضارع اور صیغہ واحد حاضر مضارع دونوں بن جائیں گے۔ متقدمین میں یائے مجہول کے پہلے مضارع میں (واؤ) بھی بڑھا دیتے تھے اور آئے کو آوے لکھتے تھے۔ مگر متاخرین میں قطعاً یہ متروک ہے۔ ممکن ہے کہ جو لوگ یائے مجہول مشبّع پر ستوشہ لگاتے ہیں اُن کے خیال میں یہ ہو کہ وہی (واؤ) (ی) کی صورت بدل کر دوسری (ی) کے لباس میں نمودار ہوا ہے۔ مگر یہ توجیہہ بالکل ضعیف اور ناقابلِ قبول معلوم ہوتی ہے۔ درحقیقت اشباع کسرہ پر ان کو دوسری (ی) کا دھوکہ ہوتا ہے۔

کثرتِ رائے اسی قول کی مؤید ہے اور حضرت جلال لکھنوی مرحوم نے بھی اپنے رسالہ افادۃ التاریخ میں یہی لکھا ہے کہ قواعد صرفی کی بنا پر یائے مجہول کے بحالتِ اشباع بیش[2] عدد شمار کرنا قطعاً غلط اور ناجائز ہے۔ ذیل میں چند مصرع ہائے تاریخ ملاحظہ ہوں۔

امیر مینائی ؎

گُل کھلائے یہ داغ نے کیسے (۱۲۹۶)

وسیم خیر آبادی

لبِ تسنیم کوثر آئے آئے (۱۳۴۰)

پہلا آئے فاع کے وزن پر اور دوسرا آئے فعلن کے وزن پر ہے
لیکن یائے مجہول کے عدد ہر حال میں دس لئے گئے ہیں۔

رحمت تلمیذِ داغ سے

لکھ درختِ اُمید پھل لائے (۱۳۳۷)

جویا مُرادآبادی سے

مہاراجہ تشریف لائے کیا (۱۲۸۶)

صفی لکھنوی سے

بہشتِ عنبریں جائے نفیس (۱۳۱۸)

عزیز لکھنوی سے

جلوہ دارد روئے سلمائے سخن (۱۳۲۰)

مذکورہ بالا مصرع ہائے تاریخ میں یائے مجہول بہ اشباع ہے۔
کسی بزرگ نے اس کو دو تحتانی کے برابر شمار نہیں کیا۔
اب یائے مجہول بلا اشباع کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

داغ دہلوی سے

قصرِ عالی پائے جنّت میں امیر (۱۳۱۸)

وسیم خیرآبادی سے

نہ آپ خاک فشاں ہوں یہ ہیں نہائے ہوئے (۱۳۲۸)

امیر مینائی سے

قمر دو آئے ہیں بُرجِ شرف میں (۱۳۱۱)

امیر مینائی ؎

اقبال کے ساتھ عمر افزوں پائیے (۱۳۱۰)

صفی لکھنوی ؎

آئے نخل اللہ اعلیٰ ہے یہ جشنِ قیصری (۱۹۱۱)

کہیں کہیں اساتذہ نے یائے بطنی ہی کے عدد لئے۔ مثلاً

ع ساز گار آئے الٰہی متفق لیل و نہار (۱۳۰۸)

یہاں آئے بروزن فعلن ہے یعنی یائے مجہول بہ اشباع ہے اس اشباع سے ایک اور یا پیدا ہو گئی اس کو یائے بطنی کہتے ہیں تقطیع میں اس کا شمار ہو گا مگر تاریخ میں اس کا کوئی عدد نہیں لیا جائے گا۔ یہ مصرعِ تاریخ۔

ع احسن نے دیا وائے ہمیں داغِ جدائی (۱۳۵۹)

یہاں اگر وائے میں دو (ی) شمار کریں تب سنہ مطلوبہ پورا ہوتا ہے۔ اس مذموم ایجاد کا سہرا جناب سعید نجیب آبادی کے سر ہے۔

اردو میں جب دو... تحتانی مکتوب ہوتی ہیں اس وقت دونوں کے عدد شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً

واقف شاگردِ اسیر ؎

فطرہ بھی تو جناب یتیموں کو بھیجئے (۱۳۵۵)

یہاں بھیجئے کے ۵۳ عدد محسوب ہوئے ہیں۔

صفی لکھنوی سے

قبر ہے آہ اس جگہ پر فاتحہ پڑھ دیجئے (۱۳۵۲)

داغ سے

ہتھکنڈے سے آ گئے اب حضور (۱۳۰۷)

سہ یائے تحتانی کی مثال بھی اُردو میں موجود ہے۔ یہ تینوں تحتانیاں مکتوب ہوتی ہیں۔ پہلی الف یا واو ساکن کے بعد آتی ہے اور متحرک رہتی ہے اور لہجہ میں ہمزہ کی آواز دیتی ہے دوسری بھی متحرک ہوتی ہے البتہ تیسری ساکن آتی ہے جیسے آیئے۔ دھوییٔے بروزن فاعلن۔ یہ تینوں تحتانیاں مکتوب ہوتی ہیں لہذا تینوں کے عدد لئے جائیں گے مثلاً۔

صفی لکھنوی سے

ہے شاہِ کربلا کا عزا خانہ آیئے (۱۳۶۰)

جن حضرات کی نظر قواعد رسم الخط اور قواعدِ تجوید پر نہیں وہ یائے معروف ہمزہ دار کے متعلق ایک حسین مسامحت میں مُبتلا ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ قواعدِ جمل میں چوں کہ ہمزہ کا کوئی عدد مقرر نہیں اس لئے گدائی۔ جُدائی۔ جنائی۔ لائی۔ کتخدائی وغیرہ الفاظ میں ایک (ی) شمار کرنی چاہیئے۔ یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے۔ مثلاً ازروئے رسم الخط دو (ی) جب لکھی جائیں گی جن میں پہلی متحرک ہو اور دوسری

پوری تو پہلی متحرک (ی) کا شوشہ ضرور ہو گا اور اُس کی آواز الف متحرک کی سی یعنی (ای) کی طرح ہو گی مثلاً آئی کے اکیس عدد شمار کرنے کی یہ وجہ ہے کہ آئی کے رسم الخط میں ایک (ی) کا شوشہ اور دوسری (ی) کا دامن یعنی ئی لکھا جاتا ہے۔ آئی میں یائے معروف ہے اور یائے معروف جب کسی لفظ میں الف یا واؤ کے بعد آئے گی مثلاً آئی۔ لائی۔ خدائی۔ رعنائی۔ ہوئی۔ بوئی۔ سوئی۔ کھوئی۔ وغیرہ اس قسم کے الفاظ میں ہمزہ کے عدد نہیں لئے جاتے بلکہ عدد اُس (ی) کے لئے جاتے ہیں جو (ی) کے لباس میں نمودار ہوتی ہے۔ مثلاً۔

جلیلؔ مانکپوری ؎

نذر دے تاریخ لکھ کر یہ جلیلؔ
ایک انگوٹھی ہاتھ آئی شاہ سے (۱۳۳۱)

حکیم برہمؔ تلمیذِ امیر مینائیؔ ؎ ع

رنگِ مینائی میں ہر اک شعر ہے ڈوبا ہوا (۱۳۲۷)

ریاضؔ خیر آبادی ؎ ع

کے۔سی۔آئی۔ای لقب سرکیواں مرتبت (۱۹۲۲)

وسیمؔ برادرِ ریاضؔ ؎

وسیمؔ آپ از روئے الحمد للہ
یہ لکھ دیں مُبارک ہے یہ کتخدائی (۱۳۳۹)

جوشؔ ملسیانی

حسنِ معنی کی تجلّی نظر آئی کیا کیا (۱۹۹۴ بکرم)

چند اور تاریخیں ملاحظہ ہوں جہاں شوشہ (ی) کے لباس میں کتابت ہوا ہے۔

ریاضؔ ؏ ہوئیں زیب النسا راب زینتِ خُلد (۱۳۴۶)

آقا طہماسپ قلی۔ ؏

بصد تزئین بلوح محمل شاہ (۱۰۴۳)

ولاؔ حیدر آبادی ؏

کتخدا ہو گئے الطاف حسین (۱۳۲۵)

امّ التواریخ از فرحتؔ دہلوی۔ گنجینۂ تاریخ از رعدؔ حیدر آبادی۔ گلبنِ تاریخ از آلمؔ تلمیذِ داغؔ۔ آئینۂ تاریخ از شائقؔ۔ تاریخِ از تسلیمؔ سہسوانی۔ جملہ کتُب محنت سے لکھی گئی ہیں مگر افسوس کہ ان میں تحتانی کا کوئی خاص اصول زیرِ نظر نہیں رکھا گیا۔ ان سب کتابوں میں دورنگی اور ددعملی کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ آئی کے گیارہ عدد بھی لئے ہیں اور اکیس بھی۔ اصول ایک ہونا چاہیئے۔ دورنگی کی یہ مثالیں کسی کے لئے قابلِ سند نہیں ہو سکتیں۔ فنِ تاریخ گوئی میں ہمزہ کے بیان سے باخبر ہونا ہر طالبِ علم فن کے لئے اشد ضروری ہے۔ یائے معروف جس پر ہمزہ ہو اس کے بیس عدد شمار کئے جائیں گے۔ مثلاً ایک انگوٹھی

ہاتھ آئی شاہ سے۔

یہاں آئی کے اکیس عدد شمار ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت جلیل کی ایک اور تاریخ ہے ؎

اے جلیل اک مصرعِ تاریخ نکلا لاجواب
شاہ عثماں سے گلے ملنے کو عید آئی ہے آج (۱۳۳۴ھ)

مصرعِ تاریخ سے لاجواب کے اعداد کم کرنے سے سالِ مطلوبہ برآمد ہوتا ہے جس کا اشارہ واضح طور پر مصرعِ اوّل میں کر دیا گیا یہاں بھی آئی کے اکیس عدد لئے گئے ہیں۔

گئے اور گئی پر جو ہمزہ ہے اُس کے دس عدد محسوب کرنے لازمی ہیں۔ مثلاً داغ دہلوی نے بندگانِ عالی متعالی کی ہنمکنڈے سے مراجعت پر یہ تاریخ کہی۔ ع

ہنمکنڈے سے آگئے اب حضور (۱۳۰۷)

یہاں گئے کے چالیس عدد شمار کئے گئے ہیں۔ ہیچمدانِ مُولّف نے اپنی والدہ محترمہ کی تاریخِ وفات یوں کہی ہے ؎

کہئے رتنؔ بسنت میں سالِ وفات یوں
کثرتِ گلوں کی باعثِ آلام ہوگئی (۱۹۵۲ء)

جناب کسریٰ منہاس نے اپنی اہلیہ محترمہ کی تاریخِ وفات یوں کہی ہے
ع وہ تو بہار و لُطفِ جہاں ساتھ لے گئے

گئے اور گئی پر جو ہمزہ ہے اُس کے بھی دس عدد شمار

کرے ہیں کیوں کہ وہ (ی) کا قائم مقام ہے۔ جمہور کا یہی فیصلہ ہے۔
برق عظیم آبادی نے طوفانِ نوح کی یہ تاریخ کہی ہے۔

ع روح پرور چھپ گئی نادر کتاب (۱۳۴۰ھ)

یہاں گئی کے تیس عدد لئے ہیں لہذا تاریخ غلط ہے۔
حضرت ریاض خیر آبادی کی وفات پر شاطر کا مٹوی نے یہ تاریخ کہی ہے۔ ع

شمع گل صد حیف بزمِ شاعری کی ہوگئی (۱۳۵۳ھ)

یہاں بھی گئی کے تیس عدد لئے ہیں لہذا تاریخ غلط ہے۔
اگر کوئی صاحب اعتراض کریں کہ ہوئے ہائے۔ سرائے پر بھی ہمزہ ہے۔ آئی۔ گئی۔ لائی۔ لئے۔ پیئے۔ لکھئے پر بھی ہمزہ ہے اول الذکر حروف کی ہمزہ کے کیوں دس عدد نہ لینے چاہئیں اور آخر الذکر کی ہمزہ کے کیوں دس عدد محسوب کرنے ضروری ہیں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ ہوئے۔ ہائے۔ سرائے پر جو ہمزہ ہے یہ رسم الخط ہے اور گئی۔ لئے۔ آئے پر جو ہمزہ ہے یہ رسم الخط نہیں بلکہ یائے تحتانی کی تبدیل شدہ صورت ہے۔ اس لئے اس کے دس عدد محسوب ہوتے ہیں۔

خاص نکتہ تاریخ گو حضرات کے لئے یہ نکتہ نہایت منفعت بخش ثابت ہوگا کہ جب کسی فعل پر ہمزہ ہو اور ان کے دل میں شک پیدا ہو جائے کہ آیا یہ ہمزہ رسم الخط ہے یا

یائے تحتانی کی تبدیل شدہ صورت۔ ان کو چاہیئے کہ جس فعل کے متعلق شک ہو اُس کی ماضی مطلق صیغہ واحد غائب بنائیں اگر ماضی مطلق میں یائے ہو تو بلا تکلّف اور بلا شبہ دو یائے شمار کریں۔ مثلاً ہمیں دیکھنا ہے کہ "لئے میں" دو یائے ہیں یا ایک لینا مصدر سے ماضی مطلق صیغہ واحد غائب (لیا) بن گیا۔ لیا میں ایک یائے تو موجود ہے اور "لیا" کے آخر جو الف ہے یہ یائے مجہول سے بدلا گیا ہے۔ ایک (لیا) کی اصل یائے اور دوسری وہ یائے مجہول جو الف سے بدلی گئی ہے۔ اس لئے (لئے) میں دو یائے ہیں۔ اسی طرح دیجئے۔ پیئے۔ دکھائی۔ بنائی۔ پائے وغیرہ میں دو یائے ہیں۔ مثلاً جناب کسریٰ منہاس مرحوم نے اپنے بیٹے کی تاریخ وفات یوں کہی۔ ع

خلد کی رنگیں بہارِ جاوداں تیرے لئے (۱۹۳۷ء)

لئے میں دو یائے شمار کی گئی ہیں۔

جناب دلکش مدنی نے اپنے استاد حضرت جمیل وارثی کی وفات پر یہ تاریخ کہی۔

ع نیک تھا لکھئے جمیلِ وارثی

یہاں لکھئے میں ایک یائے شمار کی گئی ہے جو سراسر معیوب اور غلط ہیں۔ حضرت جلیل کی ایک تاریخ ہے۔ ع

گھڑی تو ڑا اٹھ سو نے کے اپنے شاہ سے پائے

پائے کی ہمزہ کے دس عدد لئے گئے ہیں اور یہی درست ہے۔ لیکن حضرت داغ ہمزہ کا کوئی عدد محسوب نہیں کرتے جو پائے میں موجود ہے۔

ع قصرِ عالی پائے جنّت میں امیر (۱۳۱۸)

یہ تاریخ بھی اصول کے لحاظ سے غلط ہے۔ پائے میں ہمزہ کے دس عدد لینے ضروری ہیں۔

جناب حاجی سرمدی نے جناب شاطر صاحب کی وفات پر تاریخ کہی۔ ع

شاطر نادر زماں نے مات کھائی موت سے (۱۹۲۶ء)

کھائی میں دو پائے تصور کی گئی ہیں اور یہی درست ہے۔

جناب جلیل نے حضرت امیر مینائی کی وفات پر تاریخ کہی ہے۔

ع امیر کشورِ معنی امیر مینائی (۱۳۱۸ ہجری)

مینائی کی ہمزہ کے دس عدد لئے گئے ہیں۔ جمہور کا یہی متفقہ فیصلہ ہے۔ جناب وجاہت جھنجھانوی نے مصباح القواعد کی یہ تاریخ موزوں کی ہے ؎

کرے گی چار سو عالم میں ظاہر

نئے انداز مصباح القواعد ۴۷۶ × ۴ = ۱۹۰۴ء

یہاں (نئے) کے ساٹھ عدد شمار کئے ہیں حالانکہ "نئے" کے ستّر عدد ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو افادۃ التاریخ حضرت جلال

لکھنوی وہ صفحہ اٹھائیس پر لکھتے ہیں "مائی ۔ ہوائی ۔ رہائی ۔ گئی ۔ نئی ۔ کئی کی یائے معروف کے بیس عدد لئے جائیں گے"۔ پھر صفحہ اُنتیس ۲۹ پر لکھتے ہیں کہ "لئے ۔ کئے ۔ گئے ۔ نئے کی یائے مجہول کے بیس عدد لئے جائیں گے ۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ "دنیا"، میں ایک یائے تو موجود ہے اور نیا کے الف کو یائے مجہول سے بدل دیا گیا ۔ ایک تو نیا کی ذاتی یائے اور دوسری یائے مجہول جو الف سے بدلی گئی لہذا نئے میں دو یائے ہیں ۔ اس لئے وجاہت صاحب کی تاریخ غلط ہے ۔

حضرت جلالؔ نے کسریٰ صاحب کی اہلیہ محترمہ کی وفات پر تاریخ کہی ۔

ع۔ داخلِ فردوس مرحومہ ہوئیں (۱۳۵۵ ہجری)

یہاں ہوئیں پر جو ہمزہ ہے اس کا کوئی عدد نہیں لیا گیا یہ ہمزہ رسم الخط ہے ۔ ہوئی اور ہوئے کی ہمزہ کا بھی کوئی عدد شمار نہیں کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ داغؔ صاحب کی ایک تاریخ ہے ۔

ع۔ معتمد صاحب ہوئے زیبا خطاب (۱۳۱۸ ہجری)

یہاں ہوئے کے ہمزہ کا کوئی عدد شمار نہیں کیا گیا ۔

اسی طرح ہاشمی صاحب کا مصرعِ تاریخ ہے ۔۔ ع۔

دوسری جلد مشتہر ہوئی خوب

یہاں بھی ہوئی کے ہمزہ کا کوئی عدد نہیں لیا گیا ۔

جناب شیداؔ نے طوفانِ نوح کی تاریخ کہی ہے ۔ اس میں

ہوئی کی ہمزہ کا ایک عدد محسوب کیا ہے جو سراسر معیوب اور غلط ہے۔ ع

شہرت ہوئی جہاں میں یہ طوفانِ نوح کی

سرائے۔ ہائے۔ مئے پر جو ہمزہ ہے اس کا کوئی عدد نہیں لینا چاہیئے مثلاً فرقت سیدی کی ایک تاریخ ہے۔ ع

رفت از سرائے فانی با عالمِ بقا (۱۳۴۶) ہجری

یہاں سرائے کی ہمزہ کا کوئی عدد نہیں لیا گیا اور یہی درست ہے۔

حضرت جلیل کی ایک تاریخ ہے۔ ع

گرہ کشائے زمانہ ہے شہ کی سالگرہ (۱۳۳۲ ہجری)

کشائے کی ہمزہ کا کوئی عدد نہیں لیا گیا یہ ہمزہ رسم الخط ہے

حضرت احسن مارہروی نے جانِ سخن کی یہ تاریخ کہی ہے۔

ع جانِ سخن نمائشِ طبعِ جلیل ہے (۱۳۳۴ ہجری)

جناب صفا تلمیذِ امیر مینائی نے تاجِ سخن کی یہ تاریخ کہی ہے۔

ع لائقِ محبوب ہے تاجِ سخن (۱۳۲۸ ہجری)

تاجِ سخن کی ایک اور تاریخ عابد سہسوانی نے کہی ہے۔ ع

گفت دل مطبوع شد شائستہ تصنیفِ جلیل (۱۹۱۰ء)

جناب اختر شاگردِ داغ نے طوفانِ نوح کی طبع پر فرمایا۔

ع لکھی اختر نے ۔ مرغوب طبائع (۱۳۴۰ ہجری)

جناب صفا قادری تلمیذ حضرت جلال نے خم خانہ جاوید جلد دوم

کی یہ تاریخ کہی ۔ ع

کہ ایں گلشنِ شگفتہ دائما باد (۱۳۲۹ ہجری)

مذکورہ بالا مصرع ہائے تاریخ میں نمائش ۔ لائق ۔ شائستہ ۔ طبائع ۔ دائما پر جو ہمزہ ہے اس کے دس عدد شمار کئے گئے ہیں اصل میں یہ ہمزہ نہیں یائے ہے ۔

جس طرح یائے معروف جس پر ہمزہ (یعنی خط منحنی ہو) کے بیس عدد لئے جاتے ہیں ۔ اسی طرح واو معروف جس پر ہمزہ ہو اس کے بارہ عدد محسوب کرنے لازمی ہیں جیسے اشک مغفور نے ذیل کے مصرع تاریخ میں لکھنؤ کی واؤ کے بارہ عدد لئے ہیں ۔ ع دلا شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے

اسی طرح آؤ ۔ جاؤ ۔ کھاؤ وغیرہ میں دو واؤ ہیں ان کے بارہ عدد شمار کرنے چاہئیں ۔

تمت

صنائع بدائع

صنائع بدائع تاریخ میں بے تکلفی و برجستگی ہو تو لطف افزا ہوتی ہے ورنہ کوہ کندن وکاہ برآوردن سے ساری شیخی کرکری ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صنعتوں میں متاخرین کی تاریخیں بہت کم پائی جاتی ہیں اور فی زمانا اگرکسی تاریخ گو نے اتفاق سے کوئی تاریخ کسی صنعت میں کہہ دی تو کمال اظہارِ کمال ہوتا ہے اور اشتہارِ خودنمائی دیا جاتا ہے کیوں کہ ایک امرِ غیرممکن کو ممکن کر دکھانا تاریخ گو کو جامے سے باہر کردیتا ہے چنانچہ صنعت زیر و بینات میں ایک لکھنوی شاعر نے تاریخ کہی اور اودھ اخبار میں اشتہار دیا ہے

کسی گرزیں نمط شعرے تواند گفت بسم اللہ
بشاگردیٔ او بر پائے او سرمی نہم و اللہ

مگر یہ خود بینی۔ خود پسندی کبر و نخوت کی حدود سے جاملتی ہے جو انسانِ کوتاہ بیان اور ضعیف البنیان کے لئے

قطعی نازیبا ہے کیوں کہ مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ یاد رہے کہ تاریخ میں صنع کی تلاش تاریخ گوئی سے دل سرد کر دیتی ہے۔ البتہ مشق و مزاولت سے یہ مُشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ذیل میں تاریخی صنائع بدائع بیان کئے جاتے ہیں۔

صنعتِ صوری و معنوی

صوری بمعنی ظاہر اور معنوی بمعنی باطن۔ صوری وہ ہے جس سے لفظاً کوئی زمانہ معلوم ہو مثلاً ؎

گیارہ سو اکیاسی ہجری کی تھی یہی سالِ تاریخ رحلت کی تھی
گیارہ سو اسّی میں تھے چار کم کہ پیدا ہوئے تھے وہ انجم حشم

نواب امراؤ بیگم صاحبہ مرحومہ کی "تاریخِ وفات جویا مرادآبادی نے یوں کہی ہے ؎

برائے سالِ تاریخش سروش از آسمان گفتہ ۱۲۸۶ ہجری
بود ہجری ہزار و دو صد و ہشتاد و شش جویا ۱۸۶۹ عیسوی

یہاں ہزار و دو صد و ہشتاد و شش تو ظاہر ہیں لیکن جب اُس کے عدد لئے تو عیسوی ۱۸۶۹ء پیدا ہوئے کہ ۱۲۸۶ کے مطابق ہیں۔

حضرت نظم طباطبائی نے جیب کنتوری کے دیوان کی تاریخ کہی۔
ع۔ کہہ دیا۔ تیرہ سے اٹھارہ ہوئے ۱۳۱۸ھ ہجری
محققینِ فن کا اتفاق ہے کہ صوری و معنوی تاریخوں میں
ترجیح اُس تاریخ کو ہے جس میں بھرتی کا کوئی لفظ نہ ہو۔ واؤ
عاطفہ کو بھرتی نہیں کہہ سکتے اور اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔
سنہ یا سال کا لفظ اس وقت قابلِ اعتراض نہ ہوگا جب
کہ مصرع میں داخل اور الفاظ بیانیہ مادہ سے متعلق نہ ہو۔ مہینے
کے عوض لفظ ماہ یا شہر اسی طرح ایّام کے عوض روز یا یوم داخلِ
مادہ ہو سکتا ہے۔ علٰے ہذا شب یا صبح کے الفاظ کے ساتھ
ان کے موزوں اور مناسب الفاظ کا استعمال بھی خوبی میں داخل
ہے مثلاً اوّل شب یا آخر شب۔ شبِ قدر یا شب برات یا
صبحِ عید وغیرہ۔
معنوی صنعت وہ ہے کہ جس کے عددوں سے بحساب
جمل کوئی سنہ یا سال پیدا ہو۔ مثلاً تاریخ وفات پنڈت
ہری چند اختر از مولّف۔ ع
چل بسے آہ اخترِ شیریں نوا (سمت ۲۰۱۴ بکرم)
تاریخ وفات پنڈت جواہر لال نہرو۔ از مؤلّف
ع ہائے بھارت ورش کا محبوب نیتا چل بسا (۱۸۸۶ اشاکا)
سردار گوربال سنگھ و آحد موگوہی کی تاریخ وفات۔ از مؤلّف

غریبوں کا ہمدرد آج اُٹھ گیا (۱۹۸۳ عیسوی)

صنعتِ تجنیس

تجنیس ایک جنس ہونے کو کہتے ہیں کہ مشابہ ہو دوسرے سے خواہ باعتبار الفاظ خواہ باعتبار اعداد مثلاً

اٹھارہ سے پتھر دیا سر میں مار (۱۲۸۹ ہجری)

اس مادہ میں یہ صنعت ہے کہ سنہ اٹھارہ سے بہتّر بھی پڑھے جاتے ہیں۔

تاریخ مسجد اصالت خاں

ع اذان سجدہ ہا ور کوع وقیام (۱۲۸۹ ہجری)

کانوں پر ہاتھ رکھنے سے انسان کی شکل عددِ نو کے مشابہ ہوتی ہے اور سجدہ میں آٹھ کی صورت اور رکوع میں دو کے مانند اور قیام میں ایک کی طرح اور اس ترتیب سے ۱۲۹۰ سنہ حاصل ہوتے ہیں۔

صنعت مُرصّع

یہ وہ صفت ہے کہ اس میں ایک حرف منقوط اور دوسرا مہملہ ہو۔

مثلاً مہاراجہ الور کے فرزند کی تاریخ

ع سال اس کا بُلند تر قسمت (۱۲۸۶ ہجری)

تاریخ سال گرہ فوجدار صاحب۔ از جوبا

ع تو خوب رئیس ہے یہی شن (۱۲۸۴ ہجری)

صنعتِ منقوطہ

یہ وہ صنعت ہے کہ مادہ کے جملہ حروف منقوط ہوں۔
مثلاً تاریخ تخت نشینی مہاراجہ جودھ پور

ع کہ تخت نشین بنے ہیں وہ آج (۱۸۷۲ عیسوی)

تاریخ عطائے شمشیر ؎

پئے تاریخ میں نے یوں کہا میر کہو منقوط میں سب تیغِ نقشی
۱۸۷۰ء

تاریخ شادی حکیم حسین علی۔ ع

زیب شب جفت شفیق آمد سنش (۱۲۸۴ ہجری)

بعض شعرا کا یہ خیال ہے کہ کسی مصرع کے صرف حروفِ منقوط سے سال نکالنا کوئی صنعت نہیں ۔۔۔ اس لئے کہ بقیہ حروف بیگار رہتے ہیں صرف آسانی ضرور ہوتی ہے۔ ہاں اگر منقوط و غیر منقوط سے دُہرے سال نکلتے ہوں تو قابلِ تعریف

ہے۔ جیسے سیدالشہدا امام حسین علیہ السلام کی تاریخ شہادت اُن کے نام مبارک سے کیا خوب نکالی گئی ہے کہ منقوط و غیر منقوط دونوں حرفوں سے سالِ شہادت ۶۰ھ نکلتا ہے واقعی عجب سالِ تاریخ ہے جسے الہامی کہنا چاہیئے ؎

سر جدا شد از حسین و گشت تاریخ آشکار
ہم زحرفِ بے نقط ہم از حرفِ نقطہ دار

ح س ی ن
۸ ۶۰ ۱۰ ۵۰

ان میں سے سر یعنی (ح) کے عدد نکال دیجیے تو منقوط غیر منقوط حروف سے سالِ شہادت ۶۰ھ نکلتا ہے۔

صنعتِ مہملہ یا غیر منقوط

یہ وہ صنعت ہے کہ اس میں حروفِ مادہ بے نقط ہوں۔ جیسے تاریخ تولد فرزند مہاراجہ بھرت پور۔ ع

بگو در مہملہ تاریخ جویا
کہ گردد مالک و سردار و سرور (۱۲۸۷ ہجری)

تاریخ در سالِ فصلی از شفق ؎ شفق تاریخ فصلی بے نقط لکھنے کو جب بیٹھا
بڑی فکر رسا میں طائر مضموں نے پر کھولے
۱۲۸۷ھ

صنعتِ رعنا

رعنا گلِ دو رنگ کو کہتے ہیں۔ اور یہاں رعنا سے مُراد وہ صنعت ہے جس میں حروفِ منقوط و غیر منقوط سے تاریخ نکلتی ہو۔ یعنی حروفِ معجمہ سے الگ اور مہملہ میں الگ مثلاً تاریخ تذکرۂ سوزاں سے

از حروفِ معجمہ و مہملہ تاریخ گفت
روضۂ فردوس و رشک صد جمال ہر ورق

۱۲۸۳ ہجری از معجمہ و ۱۲۸۳ ہجری از مہملہ

یہاں حروفِ معجمہ سے الگ تاریخ نکلتی ہے اور مہملہ سے الگ اور دونوں مُطابق ہیں۔

صنعتِ موصل و غیر موصل

یہ وہ صنعت ہے کہ حروفِ شاملہ سے علیحدہ تاریخ نکلے اور غیر شاملہ سے جُدا تاریخ نکلے۔ مثلاً

تاریخ مسند نشینی نواب محمد ابراہیم علی خاں

ع شعلۂ اقبال روشن با فروغ آئین مدام

۱۲۸۵ ہجری ۱۲۸۵ ہجری

تاریخ شادی ولیعہد والیِ رام پور
مثالِ شمسِ درخشندہ ہر گل سہرا
ریاضِ جلوۂ نازو بہارِ باغ ادا
چو دید گوہر او گفت بہرِ تاریخش
مثالِ نورچہ تاباں عجب چراغ ادا
۱۲۸۷ھ ۱۲۸۷ھ

اس میں حروفِ شاملہ یعنی مثال کی میم۔ تا اور الف اور نور کا نون اور واؤ وغیرہم کا جدا مادہ ہے۔
اور غیر شاملہ یعنی مثال کا لام اور نور کی (را) اور تاباں کا نون اور چراغ وغیرہم سے جدا تاریخ نکلتی ہے۔

صنعتِ مقلوب

یہ وہ صنعت ہے کہ اگر مادہ کو پلٹ کر پڑھیں تو وہی صورت پیدا ہو۔ مثلاً
تاریخ غسلِ صحت مہاراجہ جے پور
آں کہ بدخواہِ او شود در دہر
بادیا رب ہمیشہ سینہ شق
سرِ خود راز ژاژ خائی آں
بدادب دید تحت درد و قلق
۱۲۸۳ھ

اس تاریخ میں جس لفظ کو مقلوب کریں گے وہی پڑھا جائے گا جیسے بدادب کو پلٹا تو بدادب ہی ہوا۔ اور دید کا دید۔ تحت کا تحت۔ قلق کا قلق۔ علیٰ ہذا القیاس۔

تاریخ ایک مکان کے منہدم ہونے کی

ع کاخ ہو جائے آج وہ خاک اے فلک

سنہ ۱۲۸۲ھ

اس تاریخ میں کل مادۂ مقلوب ہوتا ہے چاہے اس طرف سے پڑھو چاہے دوسری طرف سے۔

صنعت جمع

یہ وہ صنعت ہے جس میں تاریخ بہ طریقِ جمع کہی جائے مثلاً جناب حافظ نے دیوانِ داغ (مہتابِ داغ) کی تاریخ یوں کہی ہے وارد خاطر ہوئے الفاظِ ذیل خوش بیانی۔ حسن معنی۔ چونچلا

۹۷۹ + ۲۸۸ + ۴۳

سنہ ۱۳۱۰ ہجری

جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی نے موئف کے دیوانِ اول کی تاریخ یوں کہی ہے

ہے کون شاعرِ مفلس جو ہے امیرِ سخن

کلام کس کا ہے پروردۂ قنوط و محن

اسی خیال میں تھا محو آمن کل کی رات
صدا یہ غیب سے آئی رتن رتن ہے رتن

یہاں رتن رتن ہے رتن

۶۵۰ + ۱۵ + ۶۵۰ + ۶۵۰

کو جمع کرنے سے ۱۹۶۵ء تاریخ نکلتی ہے

صنعتِ تفریق

یہ وہ صنعت ہے کہ تاریخ بطریق تفریق نکلتی ہو۔ چنانچہ حافظ محمد ممتاز علی خاں حافظ نے داغ صاحب کے تیسرے دیوان کی تاریخ یوں کہی ہے۔

چھپا دیوانِ ثالث داغ کا ہے التجا حق سے
حسد کا داغ دل سے شاعرانِ ہند کے دھو دے
سنہ فصلی اگر درکار ہے تفریق کی رُو سے
سیاہی۔ داغ سے۔ لافِ عدو۔ اشعار سے کھو دے

۸۶ ۱۰۷۵ ۱۹۱ ۵۷۲

۱۳۷۰ سنہ فصلی

داغ کے عدد (۱۰۷۵) سے سیاہی (۸۶) کا عدد تفریق کیا
اشعار کے عدد (۵۷۲) سے لافِ عدو (۱۹۱) کا عدد تفریق کیا
دونوں حاصل تفریق کو جمع کیا تو ۱۳۷۰ فصلی سنہ نکل آیا۔

صنعتِ ضرب

یہ وہ صنعت ہے کہ بطریقِ ضرب مادہ حاصل ہو۔ جیسے حضرت آلمؔ نے دیوانِ داغ کی ایک تاریخ یوں کہی ہے ؎

سالِ فصلی یوں بھی نکلے اے آلمؔ   تین چکّر گر لگائے روزگار

(روزگار) کے ۴۳۴ عدد ہوتے ہیں۔ اس کو تین سے ضرب دیا یعنی (۴۳۴ × ۳) = ۱۳۰۲ حاصل ہوا اور یہی مطلوبہ سنہ فصلی ہے

علّامہ منشی گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی نے خاکسار موٗلّف کے دیوانِ اوّل (فرشِ نظر) کی تاریخ بطریقِ ضرب یوں کہی ہے ؎

طبع مسرور دل ہوا شاداں   ہم نے دیکھا جو انتخابِ رتن

پئے تاریخ طبع "فرشِ نظر"   لکھ دیا تین بار بابِ رتن

(بابِ رتن) کے (۶۵۵) عدد ہیں ان کو تین سے ضرب دیا تو ۶۵۵ × ۳ = ۱۹۶۵ء سالِ عیسوی حاصل ہوا اور یہی مطلوب ہے۔

منشی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی نے جناب فتح محمد خاں جالندھری کی تصنیف (مصباح القواعد) کی یہ تاریخ کہی ہے ؎

کرے گی چار سُو عالم میں ظاہر   نئے انداز مصباح القواعد

۴۷۶ × ۴ = ۱۹۰۴ عیسوی

جناب وجاہتؔ کی تاریخ نہایت قابلِ قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے (نئے) کے ساٹھ عدد شمار کئے ہیں حالانکہ نئے کے

ستر عدد ہوتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے نئے پر جو ہمزہ ہے اُس کا
اُنہوں نے کوئی عدد نہیں لیا۔ اس ہمزہ کے بلاشبہ دس عدد
لینے لازمی ہیں۔ چنانچہ جناب جلالؔ لکھنوی افادۃ التاریخ میں
لکھتے ہیں کہ نئے میں دو یائے ہیں۔

منشی حبیب حسن وحشیؔ دیوبندی نے حضرت امیر مینائی
کے دیوانِ دوم صنم خانۂ عشق کی تاریخِ طبع یوں کہی ہے ؎

یہ آنے لگی چار سُو سے صدا نیا ہے کلامِ جنابِ امیر

۴۷۴ × ۴ = ۱۸۹۶ سنہ عیسوی

چار کا اشارہ مصرع اوّل میں کر دیا گیا ہے۔

ضیاؔ حیدر آبادی نے ایک تاریخ یوں کہی ہے ؎

مبارک ہو دُلہن کو رُونمائی حبیب اللہ مسرت سے ہیں مخمور
ضیاؔ نے عرض کی جلوے کی تاریخ مضاعف ہو گیا نورٌ علےٰ نور

نورٌ علےٰ نور کی اعداد ۶۲۲ ہیں ان کو ۲ سے ضرب دیں ۱۲۴۴
حاصل ہوتے ہیں یہی سنہ ہجری مطلوب ہے۔

رفعتؔ حیدر آبادی کی ایک تاریخ ملاحظہ ہو ؎

سرکار کو ملی ہے وکالت حضور کی دربارِ شہ میں آپ کا رُتبہ ہوا بلند
جب نذر دی تو شاہ نے تلوار کی عطا ہاتف نے دی ندا کہ مراتب ہوئے دوچند

یہاں لفظ مراتب کے عدد (۶۴۳) کو ۲ سے ضرب دیں تو ۱۲۸۶
حاصل ہوتا ہے۔ یہی سنہ ہجری مطلوب ہے۔

صنعتِ تقسیم

یہ وہ صنعت ہے جس میں تقسیم کے عمل سے سنہ مطلوب حاصل ہو۔ مثلاً سہ

جب کمان اُتری تو سرداری رفو چکر ہوئی
جور بعد الکور کے معنی ہوئے سب پر عیاں
کی جو فکر جاں گزار تاریخ کا بیو گل بجا
گھنٹے کے آدھے رہ گئے بخشی ذکاءاللہ خاں

بخشی ذکاءاللہ خاں کے اعداد ۲۳۵۰ ہیں ان کو ۲ پر تقسیم کرنے سے ۱۱۷۵ ہجری حاصل ہوتا ہے یہی سنہ مطلوب ہے۔

تاریخ دیوانی شمس الدین دیوان سہ

دیوان جی کو کام ملا جب حضور سے
اس مژدہ سے بساطِ فلک بن گئی زمیں
ہاتف نے بہر سال یہ آواز دی مجھے
لے دال گرد و چند سہ چند اُس کو پھر مبین

یہاں پہلے دال کے چار عدد لکھے اس کے دو چند آٹھ لکھے پھر اس کے سہ چند ۱۲ لکھے تو اس طرح ۱۲۸۴ ہجری سنہ مطلوب نکل آیا۔

صنعتِ مخلوط

اس صنعت میں ضرب تقسیم کا عمل ملی جلی صورت میں ہوتا ہے مثلاً نصیر احمد خاں شوق نے ایک تاریخ یوں کہی ہے ؎

جب یہ دیوان جہانِ معنی ہے — اس کی تاریخ ہو وہ متفق ہیں
نکلے ہر چیز سے زمانے کی — شوق سے سُن لے یہ نشگوف سخن
پہلے اُس چیز کے عدد لکھ لے — جس سے ہو شکلِ مدعا روشن
پھر اُسے ضرب کر تو بارہ سے — اور تاریخ اس میں جوڑ اے پُرفن
بعد ازاں اس کو چھ پر کر تقسیم — اور باقی کو اے وحید زمن
دو سے باسٹھ میں ضرب دے بے شک — حاصلِ ضرب ہوگا ہجری سن

تصریح مثلاً لفظ آب سے اگر تاریخ نکالنی منظور ہے تو اس کے تین عدد ہیں۔ تین کو بارہ میں ضرب دو تو ۳۶ ہوئے اس پر پانچ بڑھائے اکتالیس ہوئے۔ اکتالیس کو چھ پر تقسیم کیا پانچ باقی بچے پانچ کو دو سو باسٹھ سے ضرب دیا تو (۲۶۲ × ۵) ۱۳۱۰ ہجری ہوئی یہی سالِ مطلوب ہے۔

صنعتِ اوائل

یہ وہ صنعت ہے کہ سرِ ہر لفظ سے تاریخ نکلے۔ جیسے ؎

آنچہ خوش گفتیم جویا از خبر ہائے خوشی
از مسرت ہائے شادی شاد شو خوشحال گو

سالِ تاریخش سرِ ہر لفظ و زکلُ مادہ
از وفورِ حشمت و بہبودی و اقبال گو (۱۲۰۶ ہجری)

اس میں سرِ ہر لفظ (و ۔ ح ۔ ب ۔ الف) سے بھی تاریخ نکلتی ہے اور کلُ مادہ سے بھی ۔

ذیل میں ایک دوست کی آمد کی تاریخ کہی گئی ہے ؎

چوں بہ جے پور رسید آں مشفق | میروم از دل جویا غم گفت
از زبانِ خودش ایں سالِ سعید | ہاتف و حور و پری آدم گفت

۱۲۸۵ ہجری

ہ = (۵) ح = (۸) پ = (۲) الف = (۱) = ۱۲۸۵ ہجری

یہاں سرِ ہر لفظ سے بھی اور کلُ مادہ سے بھی یہی تاریخ حاصل ہوتی ہے ۔ ۱۲۸۵ ہجری ۔

صنعتِ فالی

یہ وہ صنعت ہے کہ کسی سانحہ کی تاریخ بطور فال دیکھی جائے اور کسی کتاب میں سے مطابق نکل آئے یا جس شخص کی تاریخ دیکھی جائے اس کے کلام سے حاصل ہو اس کو فالی کہتے ہیں جس طرح اس تاریخ میں کہ مرزا اسداللہ خاں غالب کے انتقال کی ہے ؎

حادثہ وہ ہوا ہے غالب کا | جس سے مغموم خاص و عام ہوئے

بس غالب یہ سال ہاتھ آیا اسد اللہ خاں تمام ہوئے

یہاں بس غالب لفظ با ہے اس کا تعمیہ کیا ہے ۔ ۱۲۸۶ھ

تاریخ وفات حضرت گرم (دیوان حافظ) سے نکالی گئی اور

اس مصرع سے اخذ کی تھی ع کہ مستحق کرامت گناہگار اند۔

گرم کو پلٹا فلک نے قدر سے کہہ زبان سے اپنے جو یا سالِ فوت

حافظ شیراز کا ارشاد ہے مستحق یا بد کرامت فالِ موت

۱۲۸۶ ہجری

اس قطعہ میں مصرعِ اوّل بھی تاریخی ہے اور گرم کے

قلب کرنے سے مرگ ہوتا ہے اور پھر مادہ فالی ہے۔

صنعتِ تعمیہ تخرجہ

صاحب معدن الجواہر کہتا ہے کہ جمل کا اصطلاحی

لفظ تعمیہ ہے۔ نیز اس کا قول ہے کہ اصطلاحِ اہلِ بدیع میں

معمّا کہنے کو تعمیہ کہتے ہیں۔ اور اصطلاح اہل جمل میں تعمیہ وہ ہے

جس کے ذریعے سے تاریخ کے اعداد کو دُرست اور برابر کریں

خواہ زیادتی کے ذریعے یا کمی کے ذریعے۔ اس قول کے بموجب

تعمیہ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اگر مادۂ تاریخ میں کمی ہو تو اس کو پورا کریں جس کا

نام تدخلہ ہے۔

(۲) اگر مادۂ تاریخ میں اعداد کی زیادتی ہو تو اس کو کم کریں جس کا نام تخرجہ ہے۔

(۳) مادے کی تکمیل عمل تدخلہ و تخرجہ دونوں سے کریں۔ بعض اہلِ جمل نے کہا ہے کہ تعمیہ کی قسم اوّل کا نام تعمیہ داخلی ہے اور قسم دوم کو تعمیہ خارجی کہتے ہیں۔ دراصل یہ صرف لفظی اختلاف ہے۔ تعمیہ داخلی کہیں یا تدخلہ۔ تعمیہ خارجی کہیں یا تخرجہ۔ بعض کا قول ہے کہ اہل جمل نے تدخلہ کا نام تعبیہ رکھا ہے۔ تعبیہ کے لغوی معنی آراستہ کرنے۔ ڈھانپنے اور عجیب چیز بنانے کے ہیں اور تعمیہ کے معنی اندھا کرنے۔ چھپانے۔ چھپنے اور عجیب چیز بنانے کے ہیں۔ اگرچہ تعبیہ اور تعمیہ کے معنی قریب قریب ایک ہیں لیکن اہلِ جمل نے کسی مادۂ تاریخ کی کمی کو مٹانے اور اُس کے عیب کو ڈھانپنے کا نام تعمیہ رکھا ہے۔ اس کا عکس تخرجہ ہے۔

بہرحال اگر تعمیہ اور تعبیہ کو مُرادف قرار دے کر اُس کی ذیلی اقسام کا نام تدخلہ اور تخرجہ رکھیں یا تعبیہ اور تخرجہ کو بنفسہٖ دو مستقل اصطلاح قرار دیں۔ دونوں کا نتیجہ معناً ایک ہے صرف لفظی فرق ہے یہ عمل قدیم الایام سے عربی۔ فارسی اور اردو شاعری میں بضمنِ تاریخ جاری ہے۔

تاریخ گوئی میں عمل تعمیہ مستحسن نہیں محض مجبوری کی حالت میں کیا جاتا ہے تاریخ مستقل کو بہر صورت اس پر ترجیح ہے کیوں کہ مادۂ غیر مستقل غیر کا محتاج ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مادۂ تاریخ میں کچھ عدد کم ہوں تو کوئی صرف اُن عددوں کو ملا دیتے ہیں اور اُس کو بہ اشارۂ لطیف بیان کرتے ہیں اس عمل کو تعمیہ کہتے ہیں مثلاً یہ قطعہ تاریخ تولد فرزند از نتیجۂ طبع جناب مولوی نورالدین احمد صاحب ؎

چودھویں تاریخ تھی پندرھویں شب
جب کہ دُنیا میں قدم اُس نے رکھا
بولا ہاتف سُن کے از رُوئے طرب
چودھویں کا چاند اب ظاہر ہُوا

مصرع آخر (مادہ) کے عدد بارہ سو چوراسی ہیں اور ضرورت بارہ سو ترانوے کی تھی از روئے طرب کہہ کر نو عدد حرف (ط) کے ملائے بارہ سو ترانوے ہو گئے۔

اسی طرح یہ تاریخ وفات وشہادت حضرت میرزا جان جاناں مظہر کی ہے ؎

مظہر کا ہُوا جو قاتل اک مُرتدِ شوم
اور ان کی ہوئی خبر شہادت کی عموم

تاریخِ وفات ان کی کہی بار وئے درد
سودا نے کہ ہائے جان جاناں مظلوم
ہائے جان جاناں مظلوم کے عدد (۱۱۹۱) ہوتے ہیں ضرورت (۱۱۹۵) کی تھی۔ بار وئے درد کہہ کر چار عدد دال کے اور ملائے ۱۱۹۵ھ ہو گئے۔

قربان علی بیگ سالک نے ایک تاریخ وفات یوں کہی ہے ؎

برس دن میں مرے یہ تین شاعر
کہ جو تھے حضرت دہلی کے ساکن
نہ ہاتھ آئی کوئی تاریخ رحلت
رہی فکر اس کی سالک کو بہت دن
کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب
ارم میں عارف و تسکین و مومن

ارم کے عددوں میں کہ ۲۴۱ ہیں عارف و تسکین و مومن کے اعداد داخل کرنے سے ۱۲۶۸ نکلتے ہیں جو سالِ وفات ہے۔

اسی طرح سالک نے یہ تاریخ کہی ہے ؎

کس قدر خوش نما ہے یہ مسجد
جس سے شرمندہ مسجد اقصےٰ
سال زاہد نہ پوچھ سالک سے
آپ تو خانہ خدا ہیں آ

خانہ خدا کے (۱۲۶۱) عدد ہیں زاہد کے ۱۷ عدد اُس میں داخل کرنے سے (۱۲۷۸) ہجری ہو گئے جو سنہ مطلوب ہے۔
تعمیہ ۹ کے عدد تک روا ہے اس سے زیادہ معیوب ہے۔

تخرجہ اگر مادۂ تاریخ میں کچھ عدد اعدادِ مطلوبہ سے زیادہ ہو جائیں تو بہ اشارۂ مناسب و بہتر

اُتنے ہی عدد گھٹا دیتے ہیں اس عمل کو تخرجہ کہتے ہیں۔ مثلاً
قاضی محمد امراؤ علی جمالی ؎

منشی خوش خصال ہیرالال — راج اور ہیں ہیں جوحا کم مال
جودتِ طبع سے اُنہوں نے لکھا — کیا ہی دیوان ریختہ امسال
فکرِ تاریخ تھی مجھے کہ کہا — مجھ سے ہاتف نے ہو کے گرم مقال
عیسوی سال نظم شہرت سے — سرِ حاسد کو قطع کر کے نکال

نظم شہرت سے ح کے عدد کہ آٹھ ہیں خارج کرو تو (۱۸۸۷) نکلے۔ یہی سال مطلوبہ ہے۔ تخرجہ بھی ۹ کے عدد تک روا ہے زیادہ معیوب ہے جیسے اس تاریخ میں۔ مومن ؎

دُخت روشن رواں ہوئی پیدا — کیا ہی چمکا ہے اخترِ مومن
نال کٹنے کے بعد ہاتف نے — کہی تاریخ دُخترِ مومن

دُخترِ مومن کے عدد (۱۳۴۰) ہوتے ہیں اور مطلوب (۱۲۵۹) ہیں۔ نال کٹنے کے بعد یعنی نال کے عدد (۸۱) دُور ہو جانے کے بعد (۱۲۵۹) باقی رہتے ہیں۔ یہی تاریخِ ولادت ہے۔

جناب جلیل نے ایک تاریخ کہی ہے ؎

اے جلیل اک مصرعِ تاریخ نکلا لاجواب
شاہِ عثماں سے گلے ملنے کو عید آئی ہے آج
۱۳۳۴ ہجری

مصرعِ تاریخ سے لاجواب کے اعداد کم کرنے سے سالِ مطلوبہ

برآمد ہوتا ہے جس کا اشارہ واضح طور سے مصرعِ اولیٰ میں کر دیا گیا ہے۔

خوبیٔ تاریخ کی یہ ہے کہ بے کم و کاست بغیر تعمیہ تخرجہ کے ہو اور تاریخ کے مادے کو اکثر مصرع کے آخر میں اس طرح موزوں کرتے ہیں کہ ہاتف یا سروشِ فلک یا محکمِ غیب یا خضر یا مسیح وغیرہ نے یوں کہا۔ یوں ارشاد کیا۔ یہ ندا دی اور یہ کان میں کہا اور شعروں میں یا اوپر کے مصرع میں اکثر یہ مضمون لکھتے ہیں کہ مجھے تاریخ کی فکر تھی۔ اور میں تاریخ کی تلاش میں تھا اُس وقت یہ آواز آئی یا ایسا ہاتف نے کہا۔

کبھی ایک ہی مادے سے بہ اعتبار الفاظ و اعداد کے صوری و معنوی دونوں طرح کی تاریخیں برآمد ہوتی ہیں خواہ مادہ بے کم و کاست ہو یا تعمیہ یا تخرجہ کے ساتھ اور خواہ صوری و معنوی دونوں تاریخیں ہجری ہی ہوں۔ یا ایک ہجری اور ایک عیسوی مثلاً یہ فقرہ ایک لڑکے کی تاریخ تولد کا نتیجۂ فکر جناب مولوی نورالدین احمد صاحب ۔ فقرہ ۔ بارہ سو ترانوے ہجری میں پیدا ہوا۔ اس میں لفظاً و عدداً تاریخ ہجری نکلتی ہے ؎

کہا یہ ہاتفِ غیبی نے میرے کان میں اُس دم
اٹھارہ سو چہتّر اس کی تاریخِ ولادت ہے

باعتبار الفاظ کے ۱۸۷۵ء عیسوی معلوم ہوتے ہیں اور باعتبار اعداد کے اُس میں ۱۲۹۲ھ ہجری نکلتی ہے جیسے مُنیر۔

کہی مُنیر نے صوری و معنوی تاریخ
دوشنبہ اول شہر صیام نیک اقبال

اعلیٰ ترین اقسامِ تاریخ سے یہی ہے کہ باعتبار الفاظ کے سنہ ہجری یا عیسوی معلوم ہوں اور باعتبار اعداد کے دوسرے سنہ اس کے مخالف پیدا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب تکلّفات معمّہ گوئی سے زیادہ وَقعت نہیں رکھتے۔ تاریخ کا حُسن یہی ہے کہ پورے مصرعے سے بغیر کمی بیشی بلا تکلّف تاریخ برآمد ہو۔

صنعتِ زبر و بینات

حروف و اعداد مقررہ سے تین طرح تاریخ نکلتی ہے یعنی تاریخ معنوی خواہ تعمیہ کے ساتھ ہو خواہ تخرجہ کے ساتھ تین طور پر کہی جاتی ہے۔

ایک طریقے کا نام جُملِ صغیر ہے جسے زبر بھی کہتے ہیں اور یہی طریقہ متعارف ہے کہ حرفِ ابجد سے اعدادِ مقررہ لئے جائیں جیسے ابوالمظفرّ کے عدد (۱۲۶۰) لیے جائیں۔ یہ بہت رائج ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود حرف کے نام کے حروف لے کر
ان میں سے سر کا حرف چھوڑ دیا۔ باقی جو حرف بچے ان کے
عدد لئے مثلاً لفظ عبداللہ میں عین۔ ب اور دال وغیرہ
حروف ہیں پس لفظ عین سے جو نام حرف کا ہے خاص عین کو چھوڑ
کر (ی) کے (دس) اور نون کے (۵۰) جملہ ساٹھ عدد لئے
اور با سے خاص ب کو چھوڑ کر الف کا ایک عدد لیا اور دال
سے خاص دال کو چھوڑ کر الف اور لام کے اکتیس[۳۱] عدد لئے اور
اسی طرح اعداد جمع کرنے سے سنہ مطلوب پیدا ہو گئے اس کو
جملِ وسیط اور بینات کہتے ہیں۔ مثال اس کی تاریخ اتمام
تذکرہ سراپا سخن طبعزاد محمد حسن خاں طبیب تخلص شاگرد منیرہ

میرے مشفق نے لکھا ہے تذکرہ کس نور کا
ہو سکے کیوں کر کسی سے اے طبیب اس کا جواب
ہے شمار بینہ سے مصرعِ سال آشکار
واہ دیکھا تذکرہ وہ شاعروں کا لاجواب

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حرف کے نام کے سب حرفوں کے
اعداد شمار کریں جیسے کریم کے لفظ میں ایک کاف ہے دوسرا
را تیسرا یا چوتھا میم پس کاف کے عدد ایک سو ایک اور را
کے عدد دو سو ایک اور یا کے عدد گیارہ اور میم کے عدد نوّے
ہوئے اس کو جملِ کبیر اوزبر و بینات ملانا کہتے ہیں۔ جیسے

لفظ اللہ کے عدد بحساب زبر و بینات و جمل کبیر (۲۵۹) ہیں۔
گلبنِ تاریخ میں لکھا ہے کہ بینات کو اسم اور زُبُر بضمتین
کو مسمّٰے کہتے ہیں اور زُبُر و بینات وہ ہے کہ مسمّٰے اور اسم حرف
دونوں کے عدد نکال کر تاریخ کہی جائے مہر مہدی حسن آلم نے
ایک کتاب کی تاریخ زبر و بینات میں کہی ہے ؎

چھپ چکا اُستاد کا دیوان جب — عیسوی تاریخ آلمؔ نے یوں کہی
بینات و زبر میں دیکھو عدد — گلشنِ بے خارہ ہے دیوان یہی

کبھی تاریخ میں کئی طرح کے التزام کرتے ہیں مثلاً کوئی فقرہ
یا مصرع یا عبارت وغیرہ مادۂ تاریخ کی لکھیں اور اس میں یہ
اشارہ کریں کہ سب حروف مہملہ کے اعداد سے تاریخ لی جائے
یا سب منقوط حروف لینا ہم کو مقصود ہیں غرض کہ اشارہ کر دیتے ہیں۔
کبھی ایک مادے سے ایک سے زیادہ تاریخیں پیدا کرتے ہیں
چنانچہ ملک الشعرا ذکیؔ نے اُردو کا ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے
ہر مصرع سے ۱۲۴۴ھ ہجری نکلتے ہیں اور ہر شعر کے حروفِ منقوط
سے بھی سنہ برآمد ہوتے ہیں اسی طرح ہر شعر کے غیر منقوط
حروف سے بھی اور ہر مصرع کے حروف منقوط سے دوسرے
مصرع کے حروفِ غیر منقوط کے ساتھ بھی یہی تاریخ پیدا ہوتی ہے
کبھی دائرے سے تاریخ نکلتی ہے۔ کبھی شطرنج کے خانوں
سے تاریخ نکالتے ہیں۔ غرض کہ صنعتوں کی تعداد محدود ہے

نہ ہمہ گوئی کی۔ متقدمین عام طور پر شاہی درباروں سے متعلق تھے وہاں اپنی شیخی جتانے کے لئے من مانی تاریخیں نکالنے کے جویا رہتے تھے خواہ وہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس لئے نہایت پیچیدہ۔ بعید از فہم۔ ادق طریقے نکلتے رہے۔ آخر یہ پیچیدہ نگاری دَورِ حاضر میں آکر متروک ہوئی۔

متقدمین کی دیکھا دیکھی متاخرین بھی اسی نام و نمود کی لایعنی اور بے معنی دلدل میں پھنسے رہے چنانچہ قربان علی بیگ سالک نے ایک تاریخ نئی وضع کی لکھی ہے جس کی تصریح کر دی ہے ۔

ہے غضب رحلتِ ثناء اللہ | تو نے اے چرخ کی یہ کیا بے داد
خانۂ دوستاں ہے غم خانہ | دشمنوں کا گھر نشاط آباد
مجھ کو سالِ وفات کی تھی فکر | ہاتفِ غیب نے کیا ارشاد
جان لے جب کہ نکلی جانِ عزیز | ملی بے شبہ اے خجستہ نہاد

۱۴۸

خاک میں خاک اور آگ میں آگ | پانی میں پانی اور باد میں باد
۶۲۱ - ۶۲۱ - ۲۱ - ۲۱ | ۶۳ - ۶۳ - ۷ - ۷
گر کہے کوئی کیا ہوئی تاریخ | تو یہ کہہ اس سے لے سخن نقاد
یہ عناصر کئے جو میں نے بیاں | ایک کے ایک پر بڑھا اعداد
جتنے جانِ عزیز کے ہیں عدد | کھو دے اور سالِ مرگ کر ایجاد

(۶۲۱ + ۶۲۱ + ۲۱ + ۲۱ + ۶۳ + ۶۳ + ۷ + ۷) - (۱۴۸)
۱۴۲۴ - ۱۴۸ = ۱۲۷۶ ہجری

مورخ مجاز ہے نمود بے بود اور اظہارِ زورِ طبع کے لئے جس طرح چاہے تاریخ میں پیچیدگی اختیار کرے لیکن یہ سب کچھ محض تکلف و تصنع ہے۔ تاریخ جس قدر صاف۔ سادہ موقع کے مطابق۔ برجستہ۔ بامعنی اور دلکش ہوگی اُتنی ہی خوش آئندہ مرغوب اور مطبوع ہوگی۔

حتی الامکان تاریخ کو صنائع بدائع کے مخمصے سے آزاد رکھنا چاہیئے۔ اور پورے مصرع سے تاریخ نکالنی چاہیئے۔ کیونکہ صنعتوں میں یہ مشکل خاص طور پر پیش آتی ہے کہ تاریخ کہنے والے کی طرح تاریخ سمجھنے والوں کو کبھی قاعدہ جاننا پڑتا ہے اور تکلف کا بکھیڑا بنا رہتا ہے اور بعض اوقات ترتیب غلط نکلتی ہے مثلاً

صنعتِ نادر

یہ وہ صفت ہے کہ اس میں شمار حروف کے عدد لیتے ہیں جس طرح الف اور اس کا شمار یک ہے اب یک کے عدد تیس لیں گے۔ اسی طرح سب مادہ کے عدد دیئے جائیں گے اور یہ صنعت دشوار ترین ہے۔ مومن خاں صاحب مرحوم نے اس میں جب فکر کی تو یہ ایک تاریخ اُن کے ہاتھ لگی اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کی شادی کی تاریخ لکھی تھی "این نسبت" ۱۲۶۴ ہجری اور ایک تاریخ مظفر خاں گرم کی دیکھی۔ اور کسی کی تاریخ

اس صنعت میں نظر نہیں پڑی۔ البتہ جوؔیا مرادآبادی نے بھی اس صنعت میں فکر کی ہے۔ ان حضرات کے علاوہ جن صاحب نے بھی فکر کی وہ پُراز تکلف تھی کہ چند حروف تلاش کر کے مطابق سنہ مطلوب کے کر لئے تھے۔ پھر ان کو ترتیب دی تو وہ درست نہ آئی۔

جوؔیا مرادآبادی نے رئیس رام پور کے فرزند کی تاریخ یوں کہی ؎

تا جہاں ماند بزیر آسماں　　　بر درش ہر روز و شب ماند خوشی
آنچہ خوش در صفتِ تو اے فلک　　　گفتہ ام تاریخ او "باشد خوشی"

ب	ا	ش	د	خ	و	ش	ی
دو	یک	سہ صد	چہار	شش صد	شش	سہ صد	دہ
۱۰	۳۰	۱۵۹	۲۰۹	۶۹۴	۶۰۰	۱۵۹	۱۰

(۱۸۷۱ھ)

مادہ کے حروف لکھ کر ان کے ذیل میں ان کا شمار لکھا۔ اس شمار کے عدد اس کے نیچے لکھے پھر سب کو جمع کیا تو تاریخ حاصل ہوئی۔

صنعتِ بلیغ

یہ وہ صنعت ہے کہ شمار حروف کو بھی حرف تصور کر کے پھر اس کے عدد لیں جیسے یہ تاریخ ایک ہاتھی کی ؎

ایسا ہاتھی کہاں ہے کوہ مثال　　　دہر میں بے عدیل ہے جوؔیا
سال پوچھو تو میں کہوں تم سے　　　اس کی تاریخ بیل ہے جوؔیا

پیل

ل	ی	پ
سی	دہ	دو
شصت دہ	چہار پنج	چہار شش
۷۹۹	۲۶۴	۸۰۹

ان کو جمع کیا تو ۱۸۷۲ عیسوی تاریخ حاصل ہوئی۔

صنعتِ عجیب

یہ وہ صنعت ہے کہ عدد حروف کے بجنسہٖ مراتب سے لکھے جاتے ہیں جس طرح اس تاریخ میں۔ یہ تاریخ سید حیدر حسن ذکی یکتا کے بزم مشاعرہ کی ہے ؎

اس نے یاروں کا کیا ہے جلسہ   جو مرا یار ہے یکتا جویا
کہا ہاتف نے کہ کیا پوچھے ہے   حل تاریخ احبا جویا

۱۲۸۱ ہجری

اوّل تو کُل مصرع تاریخ ہے اور لفظ احبا کے عدد ترتیب وار لکھنے سے بھی سنہ مطلوب حاصل ہوتا ہے

ا	ب	ح	ا
۱	۲	۸	۱

اس طور سے ۱۲۸۱ حاصل ہوئے جو مطلوبہ سنہ ہجری ہے
اور سارے مصرع سے بھی ۱۲۸۱ حاصل ہوتے ہیں۔

چند تاریخی مادے از مؤلّف

(ہر تاریخ پورے مصرع سے نکالی گئی ہے)

تاریخ ولادت فرزند پنڈت دینا ناتھ رئیس سری ہر گوبند پور

مصرع — گود میں لختِ جگر ہے مرحبا صد مرحبا

سمبت ۱۹۹۴ بکرم

تاریخ وفات پنڈت متھرا داس بھاردواج والد مغفور مؤلّف

مصرع — مرگ کے پھندے میں ہیں اب والدِ مغفور حیف

سمبت ۱۹۹۴ بکرم

تاریخ اشاعت بادۂ سر جوش دیوانِ اوّل حضرت جوش ملسیانی

مصرع — جام عرق بادۂ سر جوش ہے

۱۹۴۰ عیسوی

تاریخِ وفات راشٹر پتا مہاتما گاندھی

عہ۔ بن گیا اب غم کا گھر ہندوستان

۱۹۴۸ عیسوی

تاریخ جشنِ جمہوریت

عہ۔ دیا تقدیر نے اے ہند یہ پیغامِ آزادی

۱۹۵۰ عیسوی

تاریخ وفات برادرِ عزیز مؤلف مسمی امرناتھ

عہ۔ امرناتھ باغِ جناں میں گیا ہے

۱۹۵۰ عیسوی

تاریخِ وفات شری ولبھ بھائی پٹیل

عہ۔ قوم کا اک غمگسار آج اُٹھ گیا

۱۹۵۰ عیسوی

تاریخ وفات والدۂ محترمہ مؤلف

عہ۔ کثرت گلوں کی باعثِ آلام ہو گئی

۱۹۵۷ عیسوی

تاریخِ وفات پنڈت ہری چند اختر

ع۔ چل بسے اُف اخترِ شیریں نوا

سمبت ۲۰۱۴ بکرم

تاریخ وفات اہلیہ عرؔش ملسیانی

ع۔ عرش بھی روتا ہے حیف اس مرگِ بے ہنگام پر

۱۹۵۸ عیسوی

تاریخِ وفات مولانا ابوالکلام آزاد

ع۔ آہ باغِ ہند ویراں ہو گیا

۱۳۷۷ ہجری

تاریخ تصنیف آئینۂ اصلاح از جوش ملسیانی

ع۔ ہے تصنیفِ نادر سفیر سخن

۱۹۶۰ عیسوی

تاریخ وفات جناب جگر مرادآبادی

ع۔ آہ چھایا ہے جگرؔ کی موت کا غم ہند میں

۱۹۶۰ عیسوی

تاریخ اشاعت کلس از رہبر پٹھان کوٹی

عہ۔ حسن افزا ہو گیا باغِ سخن

۱۹۶۲ عیسوی

تاریخِ وفات حضرت نوح ناروی

عہ۔ وائے اب ماتم بپا ہے جانشینِ داغ کا

۱۹۶۲ عیسوی

تاریخِ طباعت دیوان حضرت مہر جالندھری المعروف بہ فردوس

عہ بن گیا ہے جلوۂ فردوس فردوسِ نظر

۱۹۶۳ عیسوی

تاریخِ وفات پنڈت جواہر لال نہرو

عہ۔ ہائے بھارت ورش کا مقبول نیتا چل بسا

۱۸۸۶ شاکا

تاریخِ وفات شری لال بہادر شاستری

عہ اُف اُٹھا دُنیا سے قومی غم رُبا

سمبت ۲۰۲۲ بکرم

تاریخِ وفات حضرت زار زتشی

عہ۔ زار صاحب یادگارِ داغ تھے

۱۹۶۵ عیسوی

تاریخِ دفاتِ منشی تلوک چند محرومؔ

ع۔ حضرتِ محروم دہلی میں نہیں

۱۹۶۶ عیسوی

تاریخِ وفات علّامہ حضرت منوّرؔ لکھنوی

ع۔ حیف سُونا ہو گیا باغِ سخن

۱۹۷۰ عیسوی

تاریخِ وفات شریمتی ایشور کور والدہ محترمہ حضرت شادؔ

ع۔ بادِ عفّت ایشور کور ایشور سے جا ملی

۱۹۷۱ عیسوی

تاریخِ ولادت فرزندِ ارجمند جناب بےکسؔ دہلوی

ع۔ حق نے بخشا ماہ وش نورِ بصر

۱۹۷۱ عیسوی

تاریخِ ولادت نسیم اختر فرزندِ پیر محمد غنی

ع۔ بباغے آرزو آمد گلِ تر

۱۹۳۴ عیسوی

تاریخِ ولادت یوگی راج فرزندِ دینا ناتھ

ع۔ ثمرور بگردید نخلِ امل

۱۹۳۷ عیسوی

تاریخِ کدخدائی جناب شبیر حسن خان خلفِ اکبر حضرت دلؔ شاہجہانپوری

ع۔ صدائے مسرت بشبیر آمد

۱۳۶۴ ہجری

تاریخِ وفات اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہ جہان پوری

ع کرد رحلت شاعر شکرّ ادا

۱۹۵۹ عیسوی

تاریخِ وفات جناب عابد شاہ جہان پوری

ع مُرد دردا عابد فطرت قلم

۱۳۸۹ ہجری

تاریخ ولادت فرزند جناب نُور شاہ

ع صحفِ حیات داد خدا نُور شاہ را

۱۹۷۴ عیسوی

تاریخِ وفات حضرت جوشؔ ملسیانی

ع مُرد حالا موجبِ شانِ سخن

۱۹۷۶ عیسوی

تاریخِ وفات جناب شفیقؔ مینائی۔ برائے لوحِ مزار

ع اب ہوئے جنّت نشاں جنّت وطن

۱۳۹۶ ہجری

تاریخِ وفات جناب ابرؔ احسنی گنوری

ع مرگیا جانِ ادب شانِ سخن

۱۳۹۳ ہجری

تاریخِ وفات حضرت نسیم نورمحلی

ع مرگیا اُف آج اک فخرِ سخن

۱۹۶۷ عیسوی

تاریخِ طباعت "ہندی کے مسلمان شعرا"

ع - فیضِ سرورؔ سے چھپی اعلیٰ کتاب

۱۹۸۰ عیسوی

تاریخِ وفات جناب عرشؔ ملسیانی

ع عرش دیکھو فرش میں اب مل گیا

۱۳۹۹ ہجری

تاریخِ وفات پریم وار برٹنی

ع اک چراغِ سخن بجھ گیا اب

۱۹۷۹ عیسوی

تاریخِ وفات پنڈت میلارام وفاؔ

ع آج سنسان ہوگیا باغِ سخن

۱۹۸۰ عیسوی

تاریخِ وفات سردار کرپال سنگھ بیدار

عہ کردرحلت رونقِ بزمِ سخن

۱۹۷۷ عیسوی

تاریخِ وفات سردار گوپال سنگھ واحد موگوی

عہ غریبوں کا ہمدرد آج اُٹھ گیا

۱۹۸۳ عیسوی

تاریخ طباعت سرِّ مغفرت (منظوم گیتا)

عہ سربسر گیتا ہے درکِ معرفت

۱۹۸۲ عیسوی

تاریخِ اشاعت "نغماتِ ربّانی" از رشی پٹیالوی

عہ کیف اب نغماتِ ربّانی میں ہے

۱۹۸۲ عیسوی

تاریخِ وفات حضرت فراقؔ گورکھپوری

عہ اُٹھ گیا اک شاہِ اقلیم غزل

۱۹۸۲ عیسوی

تاریخِ وفات والدہ محترمہ حضرت سرورؔ تونسوی

عہ گرا سرورؔ پہ ہے غم کا پہاڑ آج

۱۹۸۲ عیسوی

وقتِ آخر ہے رتنؔ موت کھڑی ہے سر پر
آخری عمر کا حاضر ہے یہ تحفہ میرا